تخصص فی الفقہ 2017

عالمی مدنی مرکز فیضان مدینہ کراچی

انتساب

شیخ طریقت، رہبر شریعت، ریحانِ ملت، مردِ قلندر، آقائے نعمت، عاشق ماہِ رسالت ،امیر اہلسنت، واقف اسرارِ حقیقت، عالمِ شریعت، عارف معرف، پیر طریقت، محسنِ اہلسنت، ولی باکرامت، رہبر ملت عاشق اعلی حضرت (علیہ الرحمۃ) نائبِ اعلی حضرت ، سیّدی ومرشدی، نائب غوث الاعظم، یادگارِ امام اعظم،

پیکر علم وعمل، مولائی ملجائی وماوائی وآقائی حضرت علامہ مولانا ابو البلال

محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

کہ جن کی نگاہِ فیض سے میں اس سعی میں کامیاب ہوا۔

تقریظ

حضرت علامہ مولانا مفتی وقار احمد مدظلہ العالی

عزیزالقدر جناب حضرت علامہ مولانا محمد ارسلان فرید صاحب زیدہ مجدہ ایک نیک سیرت اور دین کا درد رکھنے والے نوجوان ہیں حصول علم کے بعد فروغ علم کے لیے مصروف عمل ہیں ان کے قلم کی جولانیاں اپنے عروج پر ہیں تصنیف وتالیف کا کام مؤثرانداز میں کررہے ہیں ان کی کوششیں لائق ستائش ہیں موصوف کی تصنیف لطیف **خلاصہ رسم المفتی** ایک قیمتی اور گراں قدر علمی کارنامہ ہے۔

علامہ شامی علیہ رحمۃ کی کتاب شرح عقود رسم المفتی میں جو قوانین اور جزئیات ادق عربی میں ذکر کیے گئے ہیں اس کا اردو میں خلاصہ کرکے طلباء کرام خصوصاً تخصص فی الفقہ کے طلباء کرام کے لیے آسانی کا موقع فراہم کیا ہے۔

اللہ ﷻ کی بارگاہ میں دعاگو ہوں کہ فاضل موصوف کو مزید ہمت، جذبہ، خلوص اور جہد مسلسل کی توفیق عطا فرمائے۔

موصوف کی یہ کوشش قبول فرمائے اور اس کتاب کو مقبول عام خاص بنائے۔ آمین ثم آمین

العبد الضعیف وقار احمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشعار کا ترجمہ

1. معبود حقیقی ﷻ کے نام سے شروع کرتا ہو جو احکام شرعیہ مقرر فرمانے والا ہے اس کی حمد کرتے ہوئے میں اپنی نظم کی ابتدا کرتا ہوں۔
2. پھر دائمی درود وسلام اس عظیم الشان نبی ﷺ پر جو ہمارے پاس ہدایت لے کر تشریف لائے۔
3. اور ان کی آل اور اصحاب پر جو بزرگی والے ہیں زمانے اور سالوں کے گزرنے تک۔
4. اور حمد وصلوۃ کے بعد محتاج وگناہگار بندہ محمد بن عابدین طلب کرتا ہے۔
5. اپنے رب کریم واحد سے توفیق (خیر) اور مقاصد مقبول ہو جانے کی کامیابی۔
6. مرتب جواہرات کو پردے میں منفرد چمکدار موتیوں کا ہار بنانے کی کامیابی میں۔
7. میں نے اس کا نام شرح عقود رسم المفتی رکھا ہے عامل اور مفتی دونوں کو اس کی حاجت ہو گی۔
8. اللہ تعالیٰ کے جودو کرم کے سمندر کے فیضان سے انعامات حاصل کرنے کی امید لیے اب میں مقصود کو شروع کرتا ہوں.
9. جان لیجئے کہ اس قول کی پیروی کرنا واجب ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسے اہل ترجیح نے راجح قرار دیا ہے۔
10. یا وہ قول ظاہر الروایت کا ہو اور اس کے برخلاف کسی قول کی مشائخ نے ترجیح بیان نہ کی ہو پس اس بات کو جان لیجئے۔
11. کتب ظاہر الروایت چھ ہیں انہیں اصول بھی کہتے ہیں۔

12. ان کے مصنف محمد شیبانی ہیں ان کتب میں انہوں نے نعمان بن ثابت کا مذہب تحریر کیا ہے۔

13. جامع صغیر اور جامع کبیر اور سیر کبیر اور سیر صغیر۔

14. پھر مبسوط کے ساتھ زیادات ہیں یہ کتب قوی اسناد کے ساتھ بطریق متواتر منقول ہیں۔

15. یونہی امام محمد کی کتب میں مسائل النوادر ہیں ان کتابوں کی اسناد ظاہر نہیں ہیں۔

16. اور نوادر کے بعد مسائل النوازل کا مرتبہ ہے، مشائخ کرام نے دلائل کے ساتھ ان کی تخریج کی ہے۔

17. مبسوط اصل کے نام سے مشہور ہے اور یہ اس کی دیگر تصانیف پر سبقت رکھنے کی وجہ سے ہے۔

18. مبسوط کے بعد الجامع الصغیر باقی کتابوں سے مقدم ہے لہذا جو بات الجامع الصغر میں ہے وہ اسی وجہ سے مبسوط سے مقدم ہے۔

19. چھ میں سب سے آخری منقول تصنیف السیر الکبیر ہے، پس یہی معتمد ہے۔

20. ان چھ کتب کو کتاب الکافی جمع کرتی ہے جو حاکم شہید کی تصنیف ہے پس یہی کتاب کفایت کرنے والی ہے

21. اس کی مضبوط ترین شرح جو سورج کی مانند ہے وہ شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط ہے۔

22. اس میں منقول مسائل قابل اعتماد ہیں ان کے برخلاف اقوال پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اس کتاب کے مسائل سے عدول نہیں کیا جائے گا۔

23. اور جان لو کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ایسی روایات آئی ہیں جو واضح ہیں۔

24. ان میں بعض کو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اختیار کر لیا اور بقیہ ان کے دیگر رفقاء اختیار کرتے ہیں۔

25. پس فقہ حنفی میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا کسی کا قول نہیں جیسا کہ اس پر ائمہ احناف نے قسمیں اٹھائی ہیں۔

26. اور جہاں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختیار کردہ

قول موجود نہ ہو تو امام یعقوب علیہ رحمۃ اللہ کا قول ہی مختار ہو گا۔

27. پھر امام محمد علیہ رحمۃ اللہ الاکرام کا قول حسن ہو گا پھر امام زفر اور امام حسن بن زیاد علیہما الرحمۃ کے اقوال اختیار کئے جائیں گے۔

28. اگر صاحبین نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف کیا ہو تو کہا گیا ہے کہ مفتی کو فتوی دینے میں اختیار ہو گا۔

29. اور کہا گیا ہے کے جس قول کی دلیل قوی ہو گی اسے راجع قرار دیا جائے گا اور دلیل میں نظر و فکر کرنا مجتہد مفتی کے لیے زیادہ صحیح ہے۔

30. پس اب دلیل کے ساتھ ترجیح نہیں دی جاسکتی (اب سابقہ) تفصیل کے مطابق قول ہے

31. جب تک امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بر خلاف تصحیح نہ کی گئی ہو (اگر ان کے غیر کے قول کی تصحیح کی گئی ہو) تو ہم اس قول کو لیں گے جو اہل ترجیح پر واضح ہوا ہے۔

32. پس بلاشبہ ہم اہل ترجیح علماء کو دیکھتے ہیں کبھی وہ امام اعظم کے شاگرد کے قول کی تصحیح کرتے ہیں اور اسے راجح قرار دیتے ہیں۔

33. ان ترجیحات میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے سترہ مقامات پر امام زفر علیہ رحمۃ کے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

34. پھر جب ہمارے صاحب بصیرت علماء کی کوئی روایت موجود نہ ہو۔

35. اور متاخیرین علماء کا بھی اختلاف ہو تو اس قول کو ترجیح دی جائیگی جس پر اکثر علماء ہوں۔

36. جیسے امام طحاوی، ابو حفص کبیر، امام ابو جعفر اور مشہور امام ابولیث سمرقندی۔

37. اور جہاں ان کا قول بھی موجود نہ ہو اور فتوی دینے کی حاجت ہو۔

38. تو مفتی سخت کوشش و محنت سے نظر کرے اور روز قیامت میں رب کی پکڑ کرنے سے ڈرے۔

39. بدبخت اور مقصود میں ناکام رہنے کے سوا (بغیر علم کے) احکام شرعیہ بتانے میں کوئی جرأت نہیں کرے گا۔

40. اور یہاں کچھ واضح قواعد کا بیان ہے جو دانش مندوں کے نزدیک ثابت ہیں۔

41. عبادات کے تمام ہی ابواب میں مطلقا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ترجیح دی گئی ہے جب کے بطریق تصحیح شدہ نہ ہو۔

42. ان سے کوئی روایت جسے کسی دوسرے امام نے لیا ہو، جیسے اس شخص کا تیمم کرنا جس نے کھجوروں کو پانی میں بھگور کھا ہو

43. اور ہر وہ مسئلہ جو قضاء سے متعلق ہو اس میں امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔

44. اور ذوی الارحام کے مسائل میں بلاشبہ فقہاء نے امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول پر فتوی دیا ہے۔

45. اور علماء نے مجتہدین کے استحسان کو قیاس پر ترجیح دی ہے سوائے چند مسائل کے، اور ان مسائل میں کوئی التباس نہیں ہے۔

46. اور ظاہر الروایت کے مطابق قول منقول ہو اس کے بر خلاف نہیں کیا جائے گا۔

47. درایت سے عدول نہیں کرنا چاہئے جب کے روایت بھی اس کے موافق آجائے۔

48. اور ہر وہ قول جو مسلم سے کفر کی نفی کرتے ہوئے آئے، اگرچہ ضعیف ہو زیادہ قبول کرنے کے لائق ہے.

50. اور ہر وہ قول جس سے مجتہد نے رجوع کر لیا ہو وہ منسوخ کی مانند ہے اور اس کے مقابل دوسرا قول قابل اعتماد ہے۔

51. ہر وہ قول جو متون میں ذکر کیا گیا ہے پس یہی ذکر کرنا اس کی ضمنی ترجیح ہے.

52. پس متون کو شروحات اور شروحات کو متقدمین کے فتاوی پر اصحاب ترجیح کی طرف سے ترجیح دی گئی ہے۔

53. جب کہ متون کے ماسوا قول کے ساتھ الفاظ تصحیح میں سے کوئی نہ ہو ورنہ راجح قول وہی ہو گا جس کی صراحۃ تصحیح کی گئی ہو۔

54. فتاوی خانیہ اور ملتقی الابحر میں پہلے ذکر کردہ اقوال فضیلت رکھنے والے ہیں۔

55. ان دو کتابوں کے ماسوا دیگر کتابوں میں علماء جس قول کی دلیل آخر میں کرتے ہیں وہ معتمد ہوتا ہے کیونکہ وہی قول تنقیح شدہ ہوتا ہے۔

56. جیسا کہ یہ ھدایہ اور اس کی مثل دیگر کتب کی عادت ہے دلیل کے راجح ہونے کے سبب

57. اور یوہی جب بھی مصنفین فقہاء کسی ایک قول کی علت بیان کریں اور اس کے علاوہ دوسرے قول کی علت کو ترک کر دیں۔

58. اور جہاں بھی دو اقوال پائے جائیں اور ایک کی تصحیح کی گئی ہو وہی قول معتمد ہوتا ہے۔

59. تصحیح اس طرح کے الفاظ سے کی گئی ہو الفتوی علیہ ،ھذاالاشبہ ، ھوالاظھر ،وھذاالمختار ،ھذاالاوجہ۔

60. یا صحیح اوراصح کے لفظ کے ساتھ اوراصح، صحیح سے زیادہ مؤکد ہے اور کہا گیا ہے صحیح ،اصح سے زیادہ قوی ہے۔

61. یونہی تصحیح یوں کی گئی جیسے بہ یفتی ،علیہ الفتوی ،اور یہ دو الفاظ دیگر تمام الفاظ سے زیادہ قوی ہیں۔

62. اور اگر تم دو تصحیح شدہ قول پاؤ تو اس میں سے جسے چاہو اختیار کرلو ان میں سے ہر ایک معتمد ہے۔

63. مگر اس وقت جب کہ دونوں اقوال صحیح یا اصح ہوں یا کہا گیا ہو مفتی بہ ہے تو اس صورت میں وہی قول راجح ہوگا۔

64. یاوہ قول متون میں ہو یا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہو یا ظاہر الروایت ہو یا جلیل القدر ائمہ۔

65. اس کے قائل ہوں یا استحساں ہو یا اس کا اوقاف کے لئے زیادہ نفع مند ہونا واضح ہو۔

66. یاوہ قول زمانے کے زیادہ موافق ہو یا اس کی دلیل زیادہ واضح ہو۔

67. یہ مرجحات اس صورت میں ہیں جبکہ تصحیحات باہم متعارض ہوں یا اصلا کسی قول کی تصحیح کی صراحت نہ کی گئی ہو۔

68. تو اس صورت میں تم ان مرجحات کو اختیار کروگے جن کا علم تمہیں ہو چکا پس یہ زیادہ واضح ہے۔

69. آپ روایات کے آنے والے مفہوم پر عمل کریں جب کہ وہ ثابت شدہ تصریح کے مخالف نہ ہو۔

70. شریعت میں عرف معتبر ہے اسی بناء پر کبھی اس پر حکم کا مدار ہوتا ہے۔

71. اور ضعیف قول پر عمل کرنا جائز نہیں ورنہ سائل کو اس کے مطابق جواب دیا جائے گا۔

72. مگر ضرورت مند عامل کو یا زبردست معرفتِ مسائل رکھنے والے مفتی کو۔

73. قاضی ضعیف قول کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا اور اگر اس نے فیصلہ کیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہو گا۔

74. بالخصوص ہمارے (حنفی) قاضی کیونکہ وہ مقلد ہیں اس لیے وہ راجح مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔

75. اور وہ موتی جنہیں میں دھاگے میں ترتیب وار پرو رہا تھا مکمل ہو گئے اور الحمد للہ مشک کی مہر ہے۔

خلاصہ رسم المفتی

بحث اول: مفتی، حاکم، اور جو شخص جب کسی حکم پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ راجع قول پر عمل کرے مرجوع قول پر عمل کرنا فتوی دینا جائز نہیں ہے کہ یہ اجماع کی مخالفت کرنا ہے۔

مرجوع پر فتوی دینا گویا خواہش کی پیروی کرنا ہے اور خواہش کی پیروی کرنا فتوی کہ معاملے میں حرام ہے۔

علامہ قرافی علیہ الرحمۃ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مجتہد اور مقلد کہ لیے مرجوع قول کے ساتھ فیصلہ کرنا یا فتوی دینا دینا حرام ہے کیونکہ مرجوع قول پر عمل نفسانی خواہش کی پیروی ہے اور خلاف شرع نفسانی خواہش کی پیروی بالاجماع حرام ہے۔

مفتی یا عامل دو قولوں میں سے اس قول کو اختیار کرے گا جس میں کوئی وجہ ترجیح ہو یا اہل ترجیح میں سے کسی نے اس قول کو ترجیح دی ہو۔

علامہ شمس الدین احمد نے اپنے رسالے میں ذکر کیا

کہ مفتی مقلد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس فقیہ کی حالت کو جانتا ہو جس کے قول پر فتوی دے رہا ہے۔

اس کی حالت جاننے سے مراد یہ ہے کے وہ اس کی روایت کی معرفت رکھتا ہو اس کے طبقے کو جانتا ہو کہ یہ فقہاء کہ طبقات میں سے کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے علم فقہ میں اس کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

طبقات فقہاء

فقہاء کرام کے سات طبقات ہیں۔

مجتہد فی الشرع: جیسا کہ آئمہ اربعہ اور وہ فقہاءِ کرام جو قواعد و اصول کی بنیاد میں ان آئمہ اربعہ کے راستے پر چلے ہوں۔

اور اصول و فروع میں کسی کی تقلید کیئے بغیر ادلہ اربعہ سے شرعی احکام کا استنباط کرتے ہوں جیسا کہ امام سفیان ثوری، امام داؤد ظاہری وغیرہ۔

مجتہد فی المذہب: جیسا کہ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ اصحاب جو ادلہ اربعہ سے فروعی احکام کا استنباط کرنے پر قادر ہوں۔ ان قواعد کے مطابق جو ان کے استاذِ محترم نے مقرر فرمائیں ہے۔

یہ مجتہدین اگرچہ بعض فروعی مسائل میں اپنے امام کی مخالف کرتے ہیں مگر اصول میں مخالفت نہیں کرتے۔

مجتہد فی المسائل: یعنی ان مسائل میں اجتہاد کر کے حکم بیان کرنے والے آئمہ کرام جن مسائل میں امامِ مذہب سے کوئی روایت منصوص نہ ہو۔

جیسے امام خصاف، امام جعفر طحاوی، امام شمس الائمہ سرخسی وغیرہم۔

یہ مجتہدین اصول و فروع میں امام مذہب کی مخالفت کرنے پر قادر نہیں ہوتے ان مسائل میں استنباط و اجتہاد کرتے ہیں جن میں امام سے کوئی نص نہ ہو۔

اصحاب تخریج: امام مذہب کہ مقلدین میں سے اصحاب تخریج جیسا کہ رازی علیہ الرحمۃ وغیرہ۔

یہ اصحاب اصلا اجتہاد پر قادر نہیں ہوتے مگر اپنے مذہب کے تمام اصول و ضوابط کو جاننے والے ہوتے ہیں اور تمام مسائل کے ماخذ کو جانتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ قول مجمل جو کہ دو طرح کے احتمالات رکھتا ہے اس میں قوی احتمال کو ترجیح دیتے ہیں اور صاحب مذہب سے اگر ایک حکم میں دو طرح کی روایتیں ہوں تو اسکا حکم بیان کرتے ہیں۔

اصحاب ترجیح: اس گروہ کے فقہاء کرام بعض روایات کو دوسری روایات پر ترجیح دیتے ہیں جب ان میں اختلاف واقع ہو جائے جیسا کہ صاحب ھدایہ، صاحب قدوری وغیرہما۔

اور یہ کسی قول کے بارے میں فرماتے ہیں ھذا اولیٰ، ھذا اصح روایہ، ھذا اوفق للقیاس، ارفق للناس۔

اصحاب تمییز: مقلدین مجتہدین کا وہ گروہ جس قول کو دوسرے پر ترجیح تو نہیں دیتے مگر ضعیف، صحیح، قوی، کے مابین فرق بیان کرتے ہیں روایات نادرہ اور ظاہر الروایہ کے مابین فرق بیان کرتے ہیں قوی اور اقویٰ کے مابین تمییز کرتے ہیں۔

جیسا کہ متاخرین فقہاء میں سے اصحاب متون معتبرہ۔

مقلدین: اس طبقے کے فقہاء نہ تو قول مجمل وغیرہ کی وضاحت کرتے ہیں نہ ہی اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور نہ ہی قوی، اقویٰ میں فرق بیان کرتے ہیں ان کی شان یہ ہے کے تمام اقوال کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں۔

فائدہ جلیلہ

فتاوی خیریہ میں ہے کہ راجع کی مرجوع سے تمیز اور قوۃ وضعف سے مراتب کا جاننا بہت سارا علم حاصل کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

لہذا قاضی اور مفتی پر ضروری ہے کہ وہ وہی حکم بیان کرے جس میں اسے قوی یقین اور اعتماد ہو کے یہ مسئلہ اسی طرح ہے جس طرح میں بیان کر رہا ہوں اپنی اٹکل سے مسئلہ بیان نہ کرے۔

اس بات کا خوف رکھے کہ کہیں میں اللہ کے حرام کردہ چیز کو حلال نہ کہہ بیٹھوں اسی طرح اسکا عکس اور خواہش کی پیروی کرنا مسئلہ بتانے میں سخت حرام ہے اور بہت بڑی آفت ومصیبت ہے۔

اسی طرح یہ بات معلوم ہونا بھی ضروری ہے کہ جس کتاب سے مسئلہ بیان کر رہا ہوں اسکے بارے میں فقہاء کی کیا رائے ہے۔

حکم الافتاء من الکتب الضعیفہ

کتب ضعیفہ سے مسئلہ بتانا اس وقت جائز ہوگا جب اس کے ماخذ کی طرف رجوع کر لیا جائے۔

کتب ضعیفہ اور ان پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ

جس طرح راجع قول کی پیروی ضروری ہے اسی طرح مرجّع کے حال کو جاننا بھی ضروری ہے کہ علم فقہ میں اس مرجّع کی حیثت ومقام کیا ہے۔

کتب ضعیفہ: شرح نقایہ للقہستانی، درمختار، الاشباہ والنظائر ان جیسی کتب پر اعتماد کرنا فقط انہی سے مسئلہ دیکھ کر بتادینا درست نہیں، کیونکہ ان کتب میں بہت زیادہ اختصار ہے بعض اوقات یہ اختصار پہلیوں سے جاملتا ہے۔ اور ان کتب میں بعض اوقات بغیر مرجع کے کسی قول کو ترجیح دی جاتی ہے بلکہ ایسے قول کو بھی ترجیح دے دیتے ہیں جو کسی کا مذھب بھی نہ ہو۔ لہذا کتب سے فتوی دینا اس وقت جائز نہیں جب تک ان کے ماخذ کی طرف رجوع نہ کر لیا جائے۔

کتب فقیہ میں مسئلہ کی خطاء کا وقوع

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بیس کتابوں میں ایک ہی مسئلہ غلط لکھا ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جس نے یہ مسئلہ سب سے پہلے تحریر کیا ہوتا ہے اس سے خطا واقع ہوئی اور بعد میں آنے والے فقہاء اسی کو بنیاد بناتے ہوے اس مسئلہ کو تحریر کرتے رہے اس کی اصل اور مرجع کی طرف رجوع نہ کیا۔

۱) **مثال:** جیسا کہ وہ مسائل جن میں تعلیق ہوتی ہے ایسا ہوتا ہے کے جس کو کسی چیز پر معلق کرنا تھا اسکو نہیں کیا اور جسکو معلق نہیں کرنا تھا اس کو تعلیق کے ساتھ نقل کر دیا۔

ایسے مسائل پر علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ نے تنبیہ فرمائی ہے۔

تلاوت قرآن پر اجارہ والا مسئلہ

۲) **مثال:** صاحب سراج والوھاج نے تلاوت قرآن کے اجارے کہ جواز پر فتوی دیا حالانکہ درست یہ ہے کہ تعلیم قرآن پر اجارہ جائز ہے تلاوت قرآن پر اجارہ جائز نہیں۔

ان کی پیروی کرتے ہوے بعد میں آنے والے فقہاء نے اس مسئلہ کو ان سے نقل کیا اور اسی طرح نقل کر دیا اور بعض نے تو کہا کہ مطلق طاعات پر اجارہ کرنا جائز ہے، بعض نے حج پر اجارہ کرنے کو جائز قرار دیا۔

غلطی تو صرف سراج والوھاج کے مصنف سے ہوئی باقیوں نے بغیر تحقیق کہ نقل کر دیا اور یہ فرمایا کہ یہ متاخرین کا مذھب ہے حالانکہ جواز صرف تعلیم قرآن میں ہے وہ بھی ضرورت کہ پیش نظر

اور امام اعظم کے نزدیک مطلق طاعات پر اجارہ باطل ہے، بعد میں آنے والے اصحاب ترجیح و تخریج نے قرآن پاک کی تعلیم کو ضیاع سے بچانے کے لیے اس کے جواز کا فتوی دیا باقی معاملات اپنی اصل پر ہیں۔

اذان و اقامت پر اجارے کا مسئلہ

جس طرح تعلیم قرآن پر اجارہ کرنا ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اسی طرح اذان و اقامت بھی اسی قبیل سے ہیں ان میں ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے اجارہ درست قرار دیا۔

اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس لیے منسوب کرتے ہیں کے اگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمانے میں موجود ہوتے وہ بھی ان مسائل میں اجارے کو جائز قرار دیتے اور اپنے قول سے رجوع فرماتے۔

تلاوت قرآن میں یہ ضرورت نہیں پائی جارہی جو تعلیم قرآن اور اذان و قامت میں پائی جارہی ہے، اگر کوئی سالہاسال تک تلاوت نہ کرئے تو بھی دین کے ضیاع کا خوف نہیں بلکہ نقصان تو اس کا اجارہ کرنے میں ہو گا کیونکہ مال کے لیے اجارہ تلاوت قرآن پر محض ریاءِ خالص ہے اس میں ثواب کیا ملے گا جو میت کو ھدیہ کیا جائے؟

۳) **مثال**: حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی جناب میں گستاخی کرنے والا اگر توبہ کرئے تو اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں؟ علامہ قاضی عیاض مالکی علیہ رحمۃ کے حوالے سے فتاوی بزازیہ میں ہے کہ

"لا تقبل توبۃ وان اسلم"

پھر ان کے بعد بہت سے فقہاء نے ان کی طرف سے یہ ہی حکم بیان کر دیا اور انہوں نے اس حکم کو اپنی کتب فقہ میں نقل کر دیا، حالانکہ کہ شفاء میں یہ حکم شافیوں اور حنبلیوں کا مذھب ہے اور ایک روایت امام مالک سے بھی ہے۔

جب کے احناف کے نزدیک اس کی توبہ قبول کی جائے گی یہ مسئلہ احناف کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔

جیسا کہ امام ابویوسف کی کتاب الخروج میں، شرح مختصر امام طحاوی، النتف، وغیرہ میں ہے۔

۴) **مثال**: درر اور شرح مجمع میں ابن ملک کے حوالے سے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ، اگر مرتھن مرھونہ کی ہلاکت کا دعوی بغیر گواہوں کہ کرے تو اس کو تاوان دینا پڑے گا،

اور متن تنویر میں بھی یہ ہی مسئلہ ان کی پیروی کرتے ہوے نقل کیا اس کا مقضیٰ یہ ہے کے مرھونہ چیز کتنی ہی قیمت کی ہو مرتہن کو تاوان دینا ہو گا، علامہ شیخ رملی نے اس بات کو ذکر کیا کہا اگر وہ گواہ پیش کر دے تو اس پر کچھ تاوان نہیں، بلکہ وہ اپنا دین واپس لے گا۔

یہ تو امام مالک کا مذھب ہے اصل مسئلہ احناف کے نزدیک یہ ہے، جب مرہونہ شی مرتہن کے پاس ہلاک ہو جائے تو چاہے وہ استہلاک کے طور پر ہو یا ہلاکت کہ طور پر اس کو تاوان دینا پڑے گا اور تاوان اس طرح لازم ہو گا کہ دین اور مرہونہ چیز میں سے جو کم قیمت ہو گی اس کو تاوان کہ طور پر شمار کریں گئے ہلاکت کی صورت میں احناف کے نزدیک گواہوں کی قید نہیں ہے۔

امام شامی کا واقعہ

علامہ شامی فرماتے ہیں میں نے وقف کے حوالے سے ایک فتوی تحریر کیا جو عامۃ الکتب کے موافق اور علامہ علاؤالدین حصکفی کے تحریر کردہ مسئلہ کہ مخالف تھا ان کو اس معاملے میں اشباہ ہو گیا تھا۔
لیکن میرے معاصرین نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ علامہ علاؤالدین جیسی ہستی سے غلطی واقع نہیں ہو سکتی ہم ان کے مقابل آپ کے قول کو قبول نہیں کر سکتے۔

لایجوز الافتاء الالمن اخذ العلم عن المعتبرین

وہ شخص جو خود ہی کتب فقہ کا مطالعہ کرتا ہے کسی مفتی کے پاس فتوی دینے کی تربیت نہیں لیتا اس کے لیے فتوی دینا جائز نہیں، اور وہ شخص جو کسی مفتی کے پاس تربیت لیتا ہے اس کے لیے فتوی دینا اس وقت جائز ہو گا جب وہ اچھا خاصہ علم فقہ کا مطالعہ کر لے اور صحیح اور غیر صحیح کے مابین تمیز کرنا سیکھ لے۔
اس کے بر عکس وہ شخص جو کسی سے سیکھا ہی نہیں وہ تو جاہل ہے کہ وہ نہیں جانتا کیا فتوی دینا ہے بعض او قات وہ اپنی ہی بات کو سمجھ نہیں پاتا۔

ظاہر الروایۃ

ظاہر الروایۃ پر فتوی دینا واجب ہے اگرچہ اس میں کسی مسئلہ کی صراحۃ تصحیح نہ کی ہو ظاہر الروایہ سے مراد امام محمد علیہ الرحمۃ سے مروی وہ کتب جنکی روایت امام محمد سے ظاہر ہو۔
ہاں اگر ظاہر الروایہ کے علاوہ کو فقہاء نے صحیح قرار دیا ہے تو اسی کو لیا جائے گا۔

طبقات مسائل حنفیہ

اصحاب حنفیہ سے مروی مسائل کے تین طبقات ہیں۔

۱)**مسائل الاصول**: مسائل الاصول کو ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے یہ وہ مسائل ہیں جو امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام ابو یوسف و امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے ذریعے مروی ہیں اسی طرح امام زفر سے اور امام اعظم کے باقی شاگردوں سے مروی ہیں۔
لیکن اکثر طور پر ظاہر الروایہ آئمہ ثلاثہ یا ان میں سے بعض کے اقوال کو کہا جاتا ہے، ان میں ظاہر الروایہ ان ہی مسائل کو کہا جائے گا جو امام محمد کی چھ کتب مبسوط، (اصل)، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر

،سیر کبیر،ان چھ کتب میں امام محمد سے تواتر کے ساتھ یا شہرت کے ساتھ ثقات راویوں کے ذریعے مروی ہوں۔

۲)**مسائل نوادر**:ان سے مراد وہ مسائل ہیں جو آئمہ ثلاثہ ودیگر سے تو مروی ہیں مگر امام محمد کی کتب ستہ میں مذکور نہیں ان کے علاوہ امام محمد کی دوسری کتب میں مذکور ہیں جیسا کہ ھارونیات جرجانیات وغیرہما۔

ان کو غیر ظاہر الروایہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی سند امام محمد سے ظاہر اور ثابت نہیں ہے اور صحیح نہیں ہے۔

کتب امالی ومجرد

بہر حال وہ مسائل جو امام محمد کے علاوہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دیگر تلامذہ سے ظاہر الروایہ اور نوادر کے علاوہ مروی ہیں، اگر وہ امام ابو یوسف سے مروی ہوں تو انہیں کتاب الامالی کہا جاتا ہے اور امام حسن بن زیاد سے جو مروی ہے اسے المجرد کہتے ہیں۔

امالی کی تعریف:ایک عالم دین اپنے طلباء کو علم فقہ پڑھائے اور طلباء اسکو لکھتے رہیں پھر اس کو ایک جگہ جمع کر دیں ایسی کتاب کے مجموعے کو امالی یا املاء کہا جاتا ہے۔

۳)**فتاوی اور واقعات**:اس کتاب میں وہ مسائل ہیں جن کو متاخرین علماء نے اس وقت استنباط کیا جب ان سے کوئی سوال کیا گیا اور انہوں نے آئمہ مذھب سے اس واقعے کے بارے میں کوئی روایت نہیں پائی۔

فوائد

۱:فائدہ

۱)کتاب النوازل للفقیہ ابو لیث سمرقندی کی پہلی وہ کتاب ہے جو مسائل طبقہ ثالثہ پر مشتمل ہے۔

۲)امام ابو یوسف اور امام محمد کے اصحاب جیسا کہ عصام بن یوسف، ابن رستم، ابو سلیمان جوزجانی، ابو حفص بخاری، اور جو ان کے بعد ہیں۔

۲): فائدہ

بعض متاخرین علماء نے مسائل طبقہ ثالثہ کو غیر امتیازی طور پر مختلط کر دیا مثلا قاضی خان اور خلاصہ وغیرہ نے، ان کے علاوہ نے ان کو ممتاز کر کہ بیان کیا جیسا کہ کتاب المحیط للسرخسی کہ انہوں نے سب سے پہلے مسائل اصول کو ذکر کیا پھر نوادر کو پھر فتاوی کو انہوں نے احسن کام سرانجام دیا۔

۳: فائدہ

امام محمد علیہ الرحمۃ کی مبسوط کے بہت سے نسخے مشہور ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور ابو سلیمان جوزجانی کا نسخہ ہے کثیر علماء وفقہاء نے امام محمد کی مبسوط کی شرح کی ہے شیخ زادہ اسلام بکر، جن کی شرح کو مبسوط کبیر بھی کہا جاتا ہے شمس الائمہ حلوانی وغیرہ کی شروحات کہ جن کو اب مبسوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ ان کی شرح مبسوط کے متن کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو گئی ہیں کہ ان میں تمیز باقی نہ رہی جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ قاضی خان نے جامع صغیر میں فرمایا یہ بھی اصل میں ان کی شرح ہے۔

لافرق بین روایۃ الاصول وظاہر الروایہ

ظاہر الروایہ اور روایۃ الاصول کے مابین کوئی فرق نہیں ہے ظاہر الروایہ سے مراد وہ روایات ہیں جو امام محمد نے کتب ستہ میں جمع کی ہیں یہ ہی کتب ستہ کتب اصول کہلاتی ہیں۔

لیکن علامہ ابن کمال پاشا نے فرق بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ

انہوں نے ایک روایت امام حسن سے روایت کی کہ عورت پر حج کے لزوم کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ عورت اپنے محرم کے نفقہ پر بھی قادر ہو امام محمد سے اس بارے میں مختلف روایات ہیں پھر اسی روایت کو انہوں نے محیط اور ذخیرہ کے حوالے سے ذکر کیا جس میں اس روایت کو ظاہر الروایہ کہا گیا تھا۔

علامہ ابن کمال پاشا نے کہا اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہر الروایہ میں اور روایۃ الاصول میں فرق ہے کیونکہ محیط وذخیرہ نے اس روایت کو جو امام حسن سے مروی ہے ظاہر الروایۃ کہا ہے، اور اصول میں امام حسن کی کوئی روایت موجود نہیں لہذا امام حسن کی روایت ظاہر الروایۃ تو ہے لیکن روایت اصول نہیں۔

تو جان لے کہ روایت نوادر کبھی کبھی ظاہر الروایہ ہوتی ہیں کیونکہ روایت نوادر سے مراد وہ روایت ہے جو کتب اصول کے علاوہ میں مروی ہو۔

ابن کمال پاشا کارد: محقق علیہ الرحمۃ نے کہا کہ محیط اور ذخیرہ کا اس طرح کہنا یہ روایت امام حسن کی امام اعظم ابو حنیفہ سے ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ روایت کتب ستہ میں نہ ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ وہی روایت امام محمد سے بھی مروی ہو اور ظاہر الروایہ میں کتب اصول میں جو روایت ہے وہ امام محمد سے مروی ہو امام حسن سے نہیں کیونکہ ابن کمال پاشا خود اس بات کا اقرار کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ مذکورہ میں امام محمد کی روایت مختلف ہیں۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی لازم نہیں آتا کہ روایت نوادر ظاہر الروایت بھی ہوتی ہے، ہاں روایت نوادر اس وقت ظاہر الروایہ ہو سکتی ہے جب وہ ظاہر الروایہ میں بھی مذکور ہو۔

کتب اصول وغیرہ

اصول اصل کی جمع ہے یعنی مراد امام محمد کی کتب ستہ، لیکن بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے کہ امام محمد نے اپنی کتاب الاصل میں فرمایا۔

اس وقت اصل سے مراد مبسوط ہوتی ہے کیونکہ یہ کتاب امام محمد نے سب سے پہلے لکھی تھی اس لیے اس کو اصل کہا جاتا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسئلہ جامع صغیر اور اصل کہ مابین متضاد ہو جائے تو جامع صغیر کے مسئلہ پر اعتماد کیا جائے گا کیونکہ جامع صغیر کو ناسخ کی حثیت حاصل ہو گی۔

جامع صغیر کا سبب تالیف

امام ابو یوسف نے امام محمد سے ارشاد فرمایا کہ وہ فقہی مسائل پر کوئی کتاب لکھیں جس میں ان روایات کو جمع کریں جنکو وہ امام ابو یوسف کے واسطے امام اعظم سے روایت کرتے ہیں جب امام محمد نے یہ کتاب لکھی تو امام ابو یوسف کو بہت پسند آئی اس کتاب میں 1532 مسائل ہیں۔ امام ابو یوسف اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے یہ بھی مروی ہے کہ اس وقت کے بادشاہ نے کسی کو عہدہِ قضاء سونپنے کے لیے اس کتاب کا امتحان لازم قرار دیا۔

غایۃ البیان میں ہے امام محمد نے جب یہ کتاب امام ابو یوسف پر پیش کی تو آپ نے بہت پسند فرمائی پھر فرمایا کہ امام ابو عبد اللہ نے تمام روایات مجھ سے حفظ کر کہ روایت کر دی مگر چھ مسائل میں بھول گئے امام محمد نے کہا میں تو نہیں بھولا مگر امام یعقوب علیہ الرحمہ بھول گئے۔

جامع صغیر اور کبیر میں فرق

بحر اور منیہ میں ہے کہ امام محمد نے اپنی اکثر کتب کو امام ابو یوسف پر پڑھا ہے مگر وہ کتب جن میں لفظ کبیر آتا ہے ان کو امام ابو یوسف پر پیش نہیں کیا جیسے مضاربۃ الکبیر، مزارعۃ الکبیر، الماذون الکبیر، جامع الکبیر، سیر الکبیر، گویا اکثر کتابوں کے مسائل میں امام محمد اور امام ابو یوسف کا اتفاق ہے مگر جن میں لفظ کبیر آتا اس میں اس بات کا التزام نہیں۔

سبب تالیف السیر الکبیر

شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ جب امام محمد نے سیر صغیر تحریر فرمائی اور وہ کتاب امام اوزاعی کے پاس پہنچی انہوں نے کتاب کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کتاب کو لکھا کس نے جواب ملا کہ امام محمد عراقی نے تو آپ نے تعجب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے غزوات تو شام وغیرہ میں ہوئے نہ کہ عراق میں۔

جب امام محمد تک یہ بات پہنچی تو آپ کو یہ بات اچھی نہ لگی تو آپ نے سیر کبیر لکھنے کا ارادہ کیا،

جب سیر کبیر امام اوزعی نے دیکھی تو فرمایا کہ اگر اس میں احادیث نبوی ﷺ نہ ہوتی تو میں کہتا کہ یہ کتاب موضوع ہے پھر امام محمد نے اس کہ 60 نسخے تیار کروائے اور خلیفہ کے پاس بھیج دیئے۔

فائدہ: ہمارے علماء نے فرمایا کہ جب کوئی معاملہ امام محمد سے روایت میں مختلف ہو جائے تو مجتہدین دلائل کی پیروی کریں گئے۔

جب کہ مقلدین امام محمد کی آخری کتاب میں جو روایت موجود ہو گی اس پر عمل کریں گئے وگرنہ جسکو مشائخ ترجیح دیں اگرچہ وہ امام زفر کا قول ہو۔

کتاب الکافی

علامہ حاکم شہید علیہ الرحمہ نے ظاہر الروایہ کتب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا جس کا نام کافی ہے

مبسوط سرخسی

امام حاکم علیہ الرحمۃ کی کتاب کافی کی فقہاء کرام نے بہت سی شروحات لکھیں لیکن ان میں جو سب سے زیادہ مشہور ہے وہ شمس الائمہ سرخسی کی مبسوطِ سرخسی ہے۔

جس کے بارے میں علامہ نابلسی فرماتے ہیں کہ مبسوط سرخسی کہ مخالف پر عمل نہیں کیا جائے گا اس کے مطابق فتوی دیا جائے گا اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

آئمہ حنفیہ میں سے بہت سے علماء کرام نے مبسوط کے نام سے کتب تحریر کی ہیں ان میں امام محمد اور امام ابو یوسف کی مبسوط کو اصل کہا جاتا ہے مبسوط جرجانی، خواھر زادہ کی مبسوط، شمس الائمہ حلوانی کی مبسوط، ابو یسر بزدوی کی مبسوط وغیرہ، جب لفظ مبسوط مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد مبسوط سرخسی ہوتی ہیں جو کہ کافی کی شرح ہے۔

مبسوط سرخسی کے مصنف محمد بن محمد بن احمد بن عبد اللہ ہیں۔

نوٹ: امام سرخسی کی مختصر نہ تو مبسوط کی مختصر ہے نہ کافی کی جیسا کہ بعض علماء نے گمان کیا ہے، کافی تو خود کتب اصول کی مختصر ہے۔ کافی ہی کو مختصر کہا جاتا ہے۔

مختلف اقوال میں ترجیح دینے کا ضابطہ

علم فقہ کی عام کتابوں میں فقہاء نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ مجتہد کے کسی مسئلے میں دو متناقص قول نہیں ہو سکتے اگر بالفرض ہوں بھی تو عمل ان میں سے ایک پر ہو گا دوسرا مرجوع کہلائے گا۔

ایسے دونوں قولوں میں سے صحیح کی پہچان مجتہد اور مقلد کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض کتب میں ہے کہ مجتہد دونوں قولوں میں مؤخر قول پر عمل کرے گا مؤخر قول کی پہچان نہ ہونے کی صورت میں شہادتِ قلب سے کسی ایک قول کو ترجیح دے گا۔

جب کہ بعض علماء نے ذکر کیا اگر وہ تاریخ کو نہیں جانتا تو دیکھا جائے گا کہ منقول عنہ سے کسی قول میں کوئی تقویت دینے والا امر منقول ہے کہ نہیں، صورت اول میں یہی قول صحیح قرار پائے گا ورنہ دیکھا جائے گا کہ کس مرجّع نے ان دونوں قولوں میں سے کسی قول کو ترجیح دی ہے یا نہیں اگر دی ہے تو اسی پر عمل کیا جائے گا ورنہ مجتہد اپنی شہادتِ قلب سے کسی قول کو ترجیح دے گا، **یہ حکم مجتہد کا ہے**

عامی کے لیے حکم ہے کہ اپنے زمانے کے مشہور اور متقی عالم کی پیروی کرے **فقہی** کے لیے ہے کے متاخرین کے قول کو اختیار کرے اور اس کو اختیار کرے جو درستگی کے زیادہ لائق ہو۔

امام اعظم سے اختلاف قولین کی وجوہات

اختلاف قولین اور اختلاف روا تین میں فرق ہے قول تو وہی کہلائے گا جس پر مجتہد کی نص موجود ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ اقوال کا اختلاف منقول عنہ یعنی امام اعظم کی طرف سے ہو گا اور روایتوں کے اختلاف کی وجہ ناقل بنے گا یعنی روایتوں کا اختلاف ناقل کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہو گا۔

امام ابو بکر بلیغی نے امام اعظم سے روایتوں کے مختلف ہونے کی چار وجوہات ذکر کی۔

۱) سماع میں غلطی ہونا مثلا مجتہد نے نفی کے ساتھ جواب دیا سننے والے نے اثبات سمجھا۔

۲) مجتہد نے ایک قول کر کہ اس سے رجوع کر لیا مگر سامع نے قلت ملاقات کی وجہ سے صرف قول اول سنا تھا تو اس نے جو سنا اسی کو روایت کر دیا۔

۳) مجتہد کا ایک قول قیاس کی وجہ سے تھا دوسرا استحسان کی وجہ سے تو جس نے جو سنا اسی کو نقل کر دیا۔

۴) ایک قول حکم شرعی تھا دوسرا بطور احتیاط تو جس نے جو سنا اسی کو نقل کر دیا۔

علامہ شامی کا ان وجوہات پر کلام

علامہ شامی فرماتے ہیں صوت اول کے علاوہ باقی صورتوں میں اختلاف قولین ہے جب کہ بیان اختلاف روایتین کی صورتیں ہو رہی ہیں، اور اختلاف رواتین کبھی ناقل کی طرف سے بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ایک قول ظاہر الروایہ میں ہیں دوسرا نوادر میں ہیں بلکہ دونوں صورتیں ظاہر الروایہ میں بھی ہو سکتی ہیں

توجب ایسی صورتحال ہو گی تو علامہ ابو بکر صاحب کی بیان کردہ وجوہات میں سے دو صورتیں اول والی تو باقی نہ رہی کہ امام محمد سے تو یہ دونوں متصور نہیں کیونکہ ظاہر الروایہ امام محمد کی جامع ہیں ان میں بھی اختلاف روایاتین ہوتا ہے۔

ہاں جب دونوں روایتوں کے راوی مختلف ہوں تو یہ وجوہات بن سکتی ہیں آخری دو وجوہات منقول عنہ یعنی اختلاف قولین بن سکتی ہیں۔

مزید وجوہات

۱) مجتہد ادلہ کے تعارض کی وجہ سے کسی حکم میں متردد ہو۔

۲) دلیل واحد کے مدلول میں مجتہد کی رائے کے اختلاف کی وجہ سے دلیل دو صورتوں کا احتمال رکھتی ہے

مجتہد نے دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکم بیان کر دیا کسی کو بھی ترجیح نہ دی دونوں اس کے نزدیک مساوی ہوں تو اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس بارے میں فلاں مجتہد کی دو روا تیں ہیں یا دو قول ہیں

۳) دلیل واحد کے مدلول میں مجتہد کی رائے مختلف ہو جائے مگر وہ دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دے دے تو وہ اس کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

صورت ثانی کی تین حالتیں

۱) اگر مجتہد کے نزدیک عدم ترجیح کی وجہ سے دونوں وجہیں مساوی ہوں تو دونوں کی نسبت مجتہد کی طرف کر دیں گئے اور قاضی اور مفتی وغیرہ کے لیے ان دونوں میں سے کسی کو ترجیح دیئے بغیر فتوی یا حکم دینا جائز نہیں۔

۲) ہاں جب ایک قول ترجیح پا گیا کہ امام سے دوسرے قول سے اعراض ثابت نہیں مرجّح قول امام کی طرف منسوب کیا جائے گا اور وہ دوسرا قول روایۃ کہہ کر ذکر کیا جائے گا۔

۳) جب اعراض بھی ثابت ہو جائے تو پھر دوسرے قول کو امام اعظم کی طرف منسوب کیا جائے گا۔

امام اعظم کے اقوال حقیقۃ امام اعظم کے اقوال ہیں

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ متقی فقیہ اعظم تھے آپ جیسی فقاہت کسی کے پاس نہ تھی مگر پھر بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اصحاب کو فرمایا تھا کہ جب تمہیں کوئی دلیل میرے قول کے خلاف مل جائے تو تم اس دلیل کی اتباع کرنا۔

آپ کہ اس قول کی وجہ سے آپ کے شاگردوں نے بعض اقوال میں آپ کی مخالفت کی اور اس جانب کو ترجیح دی جسکی دلیل ان کے سامنے واضح ہوئی اگرچہ وہ امام اعظم کے بیان کردہ اختیار شدہ قول کے خلاف ہو۔

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا امام اعظم کے شاگرد اگر امام کی مخالفت کریں تو کیا یہ بھی امام کا قول ہی کہلائے گا یا نہیں؟

امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال اس بات کا تقاضا کرتے ہیں امام صاحب کے اصحاب کے اقوال بھی امام صاحب کے ہی اقوال ہیں امام ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال کا خلاصہ ہے کہ کہ ہم اگر کوئی بھی قول

امام اعظم کے بر خلاف کرتے ہیں تو وہ حقیقۃ امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا قول ہوتا ہے جس سے امام صاحب نے رجوع کر لیا ہوتا ہے۔

ان کے اقوال میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جو بھی اجتہاد کرتے ہیں اپنے استاد محترم کے اقوال کی پیروی کرتے ہوئے کرتے ہیں لہذا اگر بوقت ضرورت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کسی دوسرے امام مذہب کے قول کو بھی اختیار کیا جائے تو یہ امام اعظم کی تقلید ہی کہلائے گی۔

سوال: جب امام اعظم نے کسی قول سے رجوع کر لیا تو وہ قول امام اعظم کا نہ رہا پھر اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مقلد نے امام اعظم کے قول پر عمل کیا۔

جواب: جب امام صاحب نے اپنے اصحاب کو کہا کہ تم دلیل کی اتباع کرو تو اب ان کے شاگرد امام اعظم کے اس قول کی پیروی کرتے ہوئے جو بھی فتوی دیں گئے وہ گویا کہ امام ہی کا قول کہلائے گا وہ امام اعظم کا مرجوع عنہ قول ہی کیوں نہ ہو۔

اذاصح الحدیث فھومذھبی

علامہ بیری نے ابن شحنہ کے حوالے سے نقل کیا جس کا خلاصہ یہ ہے جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جو مذہب معین کے خلاف ہو تو اس مذہب پر عمل کرنے کی بجائے اس حدیث پر عمل کیا جائے گا۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کے یہ مذہب مطلق نہیں بلکہ اس میں اس قید کا اضافہ بھی ضروری ہے کہ وہ حدیث جو امامِ مذہب کے قول کے خلاف ہے اس پر عمل اس وقت کیا جائے گا جب اس مذہب کے باقی آئمہ کرام میں سے کسی ایک کہ قول کے موافق ہو۔

کیونکہ مقلد مفتی کہ لیے یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایسے مسئلے پر فتوی دے جو مذہب سے کلی طور پر خارج ہو اور مذہب کے آئمہ میں سے کسی کا بھی قول نہ ہو۔

یہ اس لیے ہے کہ ہمارے آئمہ کرام ادلہ کو ہم سے بہتر جانتے تھے اور اجتہاد میں بھی ہم تمام سے بہتر تھے ان کی نظر میں بھی یہ حدیث گزری ہو گی مگر ان میں سے کسی نے بھی اس کو اختیار نہیں کیا اور اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا تو ہم کیسے دے سکتے ہیں۔

علامہ قاسم فرماتے ہیں محقق علی الاطلاق کی ابحاث پر عمل نہیں کیا جائے گا اس کی وجہ بھی یہ ہی ہے کہ انہوں نے اس طرح کا اجتہاد کیا جس سے ایسا مسئلہ ثابت ہوا جو بالکل مذہب سے خارج کر دیے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ مذہب کے خلاف جب حدیث آ جائے تو اس پر عمل کرنے کا حکم وہی شخص دے گا جو صاحب نظر فی الدلیل ہو اور ناسخ و منسوخ اور محکم کی معرفت رکھتا ہو۔

لہذا جب وہ اہل نظر اس پر فتوی دے تو اب اس قول کو بھی مذہب کا قول ہی قرار دیں گئے کیونکہ اس نے یہ امام مذہب کی اجازت اور ان کے قول کی پیروی کرتے ہوئے کیا ہے۔

محقق ابن ھمام نے بہت سے مشائخ کا رد کیا ہے جنھوں نے صاحبین کے قول پر فتوی دیا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے عدول ضعف دلیل کی وجہ سے ہی ہوگا۔

نوٹ: امام شامی کا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلیل کو ضعیف کہنا اعلی حضرت نے قبول نہ کیا علامہ شامی کی اسی بات کے رد میں آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا۔

اذا صح الحدیث فهو مذهبی

ماحاصل: جب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب امام کے کسی قول سے عرف وضرورت وغیرہ کی وجہ سے عدول کریں اور مشائخ کرام اس کو ترجیح دیں تو اسی پر عمل کیا جائے گا۔

اس قول پر عمل کرنا مذہب غیر امام پر عمل کرنا نہیں کہلائے گا بلکہ یہ بھی اسی مذہب کے اقوال وروایات میں سے ایک شمار ہوگا کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے اس کی اجازت ہے اگر فقہاء عرف کی وجہ سے عدول والے قول کو ترجیح دیں تو وہ بھی امام ہی کا مذہب کہلائے گا کیونکہ اگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس زمانے میں ہوتے تو وہ بھی اسی طرف مائل ہوتے۔

جب امام کے قول کو چھوڑ کر کسی وجہ سے دوسرے قول کو اختیار کیا جائے گا تو اس وقت یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے یا امام کے مذہب کا مقتضی ہے۔

ترتیب اوتخییر اذااختلفت الروایات

کسی بھی مسئلے میں جب آئمہ کرام کی روایات میں اختلاف ہو جائے تو مفتی کو مسئلہ بتانے کے لیے کیا اسلوب اختیار کرنا چاہیے اس معاملے میں مختلف اقوال ہیں بعض آئمہ ترتیب کے قائل ہیں بعض تخییر کے۔

۱)جب کسی مسئلے میں اختلاف روایات ہو جائے تو دیکھا جائے گا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ نہیں اگر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول موجود ہو تو مطلق امام کے قول کو اختیار کیا جائے گا ورنہ امام ابو یوسف کے قول کو لیا جائے گا اگر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول نہ ہو تو امام محمد کا قول لیا جائے گا پھر امام حسن اور امام زفر کے قول میں سے جسکا قول ہو اس کو لیا جائے گا ان دونوں کا مرتبہ ایک ہی ہے۔

۲) بعض کے نزدیک امام حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کا درجہ امام زفر کے قول کے بعد ہو گا یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد امام زفر پھر امام حسن کا۔

۳) بعض نے کہا جب ایک جانب امام صاحب ہوں دوسری جانب صاحبین تو مفتی کو اختیار ہو گا چاہے امام کے قول کو لے چاہے صاحبین کے قول کو، باقی صورتوں میں امام کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔

۴) بعض کے نزدیک مطلقا امام کے قول کو لیا جائے گا مگر جب صاحبین امام کی مخالفت کریں تو مفتی مجتہد کو اختیار ہو گا غیرِ مجتہد پر امام کی اتباع لازم ہو گی۔

اختیار

تخییر کا معنی یہ ہے کہ مفتی مجتہد دلائل میں غور و فکر کرے گا اور جس جانب کی دلیل اس کو زیادہ قوی معلوم ہو گی اسی کو ترجیح دے گا اس پر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو اختیار کرنا ضروری نہیں ہوتا۔

ما المراد بالمجتہد

علامہ بیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اجتہاد سے مراد دو میں سے ایک طرح کا اجتہاد ہے اور یہاں مجتہد سے مراد مجتہد فی المذھب ہے یعنی جو اپنے امام کے منصوص مسائل کی مختلف صورتوں کی تخریج پر

قادر ہو، یا جواپنے مذہب کا متبحر عالم ہو جو کہ مطلق اقوال میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

جب صاحبین امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مخالفت کریں تو؟

اس میں مذاہب ہیں۔

۱)مطلق امام کے قول کی پیروی۔

۲)مطلق اختیار کا ہونا مفتی مجتہد ہو یا نہ ہو۔

۳)مفتی مجتہد ہو تو اسے اختیار ہو گا غیر مجتہد کو امام کے قول کی پیروی لازم۔

جو تیسرا قول ہے یہ پہلے دو قولوں کے مابین تطبیق کی حثیت رکھتا ہے ان تین مذاہب اور با گذشتہ گفتگو سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اختلاف روایات میں دو طرح کے مذاہب ہیں۔

(۱)ترتیب(۲)تخییر

تخییر مجتہد کے لیے ترتیب غیر مجتہد مفتی کے لیے.

علامہ شامی کا مذہب کہ مشائخ کی پیروی کی جائے گی

جب صاحبین میں سے کوئی ایک امام کے موافق ہو تو امام کے قول کو ہی ترجیح ہو گی یہ تفصیل **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** کے مقتضی کے خلاف ہے۔

کیونکہ امام کے اس قول کا مقتضی یہ ہے کے دلیل کی پیروی کی جائے گی اگرچہ امام کے موافق صاحبین میں کوئی ہو یا نہ ہو کیونکہ ہم نے اس قول کو من کل وجہ مذہب سے خارج نہ ہونے پر محمول کیا ہے دراصل علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے کہ مشائخ کرام جب کسی قول کو ترجیح دیں تو اسی کی پیروی کی جائے گی اگرچہ وہ کسی کا بھی قول ہو جیسا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں کسی قول پر فتوی دیتے تو ہم ان کی اتباع کرتے،اور اس بات کو کثیر کتب میں ذکر کیا گیا۔

تمام کا ماحاصل یہ ہے کے جب مشائخ کرام کسی قول کو ترجیح دیں تو اسی کی پیروی کی جائے گی۔

یجب اتباع اھل الترجیح والتصحیح

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے موقف کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ مشائخ کی پیروی ہم پر لازم ہے اس بارے میں عقلی دلیل ذکر فرماتے ہیں۔

دلیل عقلی: جب صاحبین ایک طرف ہوں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک جانب تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اتباع لازم ہے اسی طرح مقلد مفتی پر ترتیب کی اتباع لازم ہے کہ سب سے پہلے امام اعظم کا قول پھر امام ابو یوسف کا پھر امام محمد کا۔ الخ

لیکن مفتی مجتہد کے لیے تخییر ہے کہ جس کی دلیل قوی معلوم ہو اس کے قول پر عمل کرے اور فتوی دے۔

اس زمانہ میں مجتہدین باقی نہ رہے اب صرف مفتی مقلد باقی ہیں تو لازم ہے کہ ترتیب کی پیروی کی جائے۔ لیکن یہ اس وقت تک ہے جب تک ہمیں کسی مجتہد فی المذھب کی ترجیح یا تصحیح کے بارے میں معلوم نہ ہو جب کسی قول کی ترجیح و تصحیح آئمہ کرام سے منقول ہو تو اسی کی پیروی کی جائے گی۔

جیسا کہ اگر وہ اپنی زندگی میں فتوی دیتے تو ہم ان کی اتباع کرتے کیونکہ وہ زیادہ علم رکھنے اور دلائل کو جانے والے ہیں۔

الحاصل: علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کا حاصل یہ ہے، کہ اختلاف کی صورت میں مفتی مجتہد کے لیے تخییر ہے لیکن مقلد پر ترتیب لازم ہے اور یہ بھی اس وقت ہے جب اھل ترجیح و تصحیح کی ترجیح و تصحیح کسی ایک کے بارے میں موجود نہ ہو۔

ھل یجب علینا الافتاء بقول الامام

علامہ بحر رحمۃ اللہ علیہ کا مؤقف ہے کے ہر حال میں قول امام پر فتوی ہو گا کیونکہ ہم امام اعظم کہ مقلد ہیں اگرچہ مشائخ امام اعظم کہ خلاف ہوں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی خلاف ہیں اور دلیل دی کہ امام اعظم کا قول ہے (لایحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قال) جب کہ علامہ بحر فرماتے ہیں جس کا مقتضی یہ ہے کہ دلیل معلوم ہو یا نہ ہو فتوی قول امام پر ہی ہو گا۔

صاحب بحر رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے وہ اس زمانے کے اعتبار سے ہے اور امام اعظم کا قول مجتہدین کے بارے میں ہے اور ہمارے زمانہ میں مجتہد مفقود ہیں۔

اہلیت نظر سے کیا مراد ہے؟

اہلیت نظر سے مراد اقوال کے مابین تمیز کو جاننے والا ہو بعض اقوال کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت رکھتا ہو۔

اسی طرح کوئی بھی انسان مفتی نہیں بن سکتا جب تک اسکی درستگی اسکی خطاء پر غالب نہ ہو جائے کیونکہ غالب کے مقابلے مغلوب کا اعتبار نہیں ہوتا اسکی وجہ یہ ہے کہ امور شرعیہ کا دار و مدار عمومی طور پر اکثریت پر ہوتا ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ حدیث کو جاننے والا اور امام اعظم کے اقوال کو جاننے والا ہو۔

علامہ شامی صاحب کے علامہ بحر پر اعتراضات

علامہ شامی فرماتے ہیں کے صاحب بحر کہ کلام میں بد نظمی ہے سب سے پہلے تو یہ کے صاحب بحر کا یہ کہنا کہ امام اعظم کے قول پر ہی فتوی ہو گا اگر چہ مشائخ کچھ بھی فتوی دیں، امام اعظم کے اس قول کے مخالف ہے (لایحل لاحد۔۔۔۔الخ)

کیونکہ امام اعظم کا قول اس امر میں صریح ہے کہ غیر مجتہد کہ لیے فتوی دینا جائز نہیں جبکہ علامہ بحر اس کے لیے امام کے قول پر فتوی دینے کا وجوب ثابت کر رہے ہیں۔

سوال: اگر مفتی غیر مجتہد پر فتوی دینا جائز نہیں تو پھر ہمارے زمانے میں جو مفتیانِ کرام فتوی دیتے ہیں اسکو کیا نام دیا جائے گا۔

جواب: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہم جو غیر مجتہد مفتی کے فتوی دینے کو فتوی کہتے ہیں وہ حقیقۃً فتوی نہیں ہوتا وہ تو محض کسی امام کے قول کو نقل کر دینا ہے تو جب یہ اقوال کو نقل کرنا ہی ہے اب اختیار ہے چاہے امام کے قول کو نقل کریں یا کسی اور کے قول کو نقل کریں، ہم پر امام ہی کے قول کو نقل کرنا واجب نہیں۔

سوال: امام اعظم کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ جب امام کے قول کی دلیل کو جان لیا جائے تو پھر امام ہی کے قول پر فتوی دیا جائے گا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام کہ قول کی دلیل پر اطلاع کہ باجود غیر کہ قول پر مشائخ نے فتوی دیا ہوتا ہے۔

جواب: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے مشائخ امام کی دلیل پر بھی اطلاع پاتے ہیں صاحیبن کے قول یا کسی ایک صاحب کے قول پر بھی اطلاع پاتے ہیں مگر پھر بھی صاحبین کہ قول پر فتوی دیتے ہیں تو یہ فتوی امام صاحب کہ قول سے جہالت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسری وجہ سے ہوتا جسکو مشائخ زیادہ جانتے ہیں۔

کیونکہ ہم اھل نظر نہیں اور نہ ہی ہم ان مشائخ کے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی کو مذھب کے لیے مقرر کر رکھا تھا تو ہم پر ان کی حکایت کردہ فتووں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

علامہ قاسم اور علامہ ابن شبلی کی عبارت کا مفہوم بھی یہی ہے۔

(لایحل لاحد۔۔)امام کے قول کا معنی

امام اعظم کے اس قول کے دو معنی بیان کیئے جاتے ہیں۔

ا)امام اعظم سے جب کوئی مسئلہ ثابت ہو رہا ہو تو فتوی دینا اس وقت تک جائز نہیں ہو گا جب تک وہ دلیل کی معرفت نہ رکھتا ہو۔

دلیل کی معرفت مجتہد کے ساتھ خاص ہے کیونکہ دلیل کی معرفت سے مراد اس دلیل کو تمام معارض سے محفوظ جاننا یہ معرفت اسی وقت حاصل ہو گی جب وہ تمام ادلہ کی معرفت رکھتا ہو۔

جب کہ مقلد کے لیے یہ شرط نہیں مقلد کے لیے فقط امام کا قول ہی کافی ہے اس پر دلیل کی معرفت ضروری نہیں۔

کیونکہ **تقلید** بغیر دلیل کے غیر کے قول کو لے لینے کو کہتے ہیں اسی وجہ سے علماء نے کہا جب کوئی مسئلہ دلیل کی معرفت سے جانا جائے تو اس کو تقلید نہیں کہتے کیونکہ وہ تو اجتہاد ہے۔

اس معنی کا خلاصہ یہ حاصل ہوا کہ امام اعظم کا مقلد جب امام اعظم کے قول پر فتوی دے گا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دلیل کی معرفت رکھتا ہو اور یہ چیز مجتہد فی المذھب ہی کا خاصہ ہے۔

اعتراض:امام اعظم کے قول کا یہ معنی کرنا بعید ہے کیونکہ مجتہد مطلق کے علاوہ جو بھی ہو گا اس پر مجتہد کی تقلید ضروری ہے چاہے وہ مجتہد فی المذھب ہی کیوں نہ ہو اس پر دلیل کی معرفت ضروری نہیں۔

جبکہ یہ معنی مراد لیں تو لازم آئے گا کہ مجتہد فی المذھب دلیل کی معرفت رکھتا ہو یہ اس کے لیے ضروری ہے ورنہ امام کے قول پر فتوی نہ دے، جب امام کہ قول پر فتوی ہی نہیں دینا تو پھر تقلید کس بات کی؟

تحریر میں ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ مجتہد فی المذھب پر امامِ مجتہد مطلق کی تقلید کرنا لازم ہے اگرچہ وہ بعض مسائل میں مجتہد ہو یا بعض ابواب میں مجتہد ہو۔

عالم کے لیے تقلید کی یہ شرط ہے کہ وہ امام کے قول کی صحت کو جانتا ہو ورنہ تقلید کرنا جائز نہیں۔

پہلا قول جمہور کا دوسرا معتزلہ کا۔

تحریر میں ذکر کردہ جمہور کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ مجتہد فی المذھب پر تمام مسائل میں امام کی تقلید لازم نہیں جن مسائل میں دلیل کی معرفت رکھتا ہے ان میں تقلید نہ کرے۔

گویا مقلد بھی ہے لیکن بعض مسائل میں جن کی دلیل کی معرفت پر قادر ہے ان میں مجتہد بھی۔

اس اعتبار سے وہ معنی درست ہو جائے گا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ مجتہد فی المذھب کو عام انسان کے ساتھ ملانا محل نظر ہے اسکو مجتہد کے ساتھ بھی نہیں ملا سکتے اور اس کے مابین کوئی واسطہ بھی نہیں ہے دراصل حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات اصل میں مجتہد ہی نہیں کیونکہ انہوں نے کسی نئے مذھب کا الزام نہ کیا کے نیا مذھب بنانا بہت متعذر تھا مذھب کے لیے الگ قواعد و قوانین ہوتے ہیں اور سابقہ مجتہدین نے تمام کے تمام قواعد و قوانین کا احاطہ کر لیا تھا۔

ہاں کسی قاعدے میں انکے لیے امام کی تقلید ممنوع نہیں لیکن جب کے فروعی مسئلے میں کس دوسرے امام کی تقلید ان پر ظاہر ہو جائے تو اس پر فتوی دینا ضروری ہو گا۔

معنی اول کا ما حاصل

معنی اول مجتہد کے ساتھ خاص ہے مجتہد سے مراد مجتہد فی المذھب ہے مجتہد فی المذھب قاعدوں میں تو امام کی پیروی کرے گا چونکہ یہ خود مجتہد ہے لہذا فروعی مسئلے میں امام اعظم کے قول پر اسی وقت فتوی دے گا جب اس کی صحت کو جان لے گا۔

یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ مجتہد مطلق کے علاوہ ہر ایک کو مجتہد مطلق کی تقلید ضروری ہے اور مقلد کے لیے دلیل کی معرفت ضروری نہیں چاہے وہ مجتہد فی المذھب ہی کیوں نہ ہو،
کیونکہ مجتہد فی المذھب خود مجتہد ہے اس لیے وہ دلیل کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

۲)قول ثانی:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اصول و قواعد سے استنباط کرنے اور مسائل کی تخریج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جدید مسائل کا حل امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اصول کے مطابق کرتا ہو، جمع اور فرق کی استطاعت رکھتا ہو، مجتہد کے بیان کردہ احکامات میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔
ان صفات کے حامل شخص کے لیے جائز نہیں۔
کہ وہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو بعینہ نقل کر دے بلکہ ضروری ہے کہ وہ امام کے قول کو امام کہ قواعد کہ مطابق جانچے پھر جب استنباط و استخراج امام کے قواعد کے مطابق ہو تو فتوی دے اس کے بغیر فتوی دینا جائز نہیں،ان صفات کا حامل مجتہد فی المذھب ہوتا ہے۔

سوال: غیر مجتہد فی المذھب کے لیے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتوی دینا کیسا حالانکہ وہ تو امام کے قول کی دلیل کو جان ہی نہیں سکتا۔

اس بارے میں تین مذھب ہیں۔

1)وہ شخص جو صرف اقوال آئمہ یاد کرے اسے دلائل کی معرفت نہ ہو اسکے لیے مختلف فیہ مسئلہ میں فتوی دینا جائز نہیں۔

2)فتوی دینا تو جائز ہے بشر طیکہ وہ مجتہد نہ ہو اور استقراء کی علامت ہو۔

3)مطلق فتوی دینا جائز ہے کیونکہ غیر مجتہد کا فتوی دینا فتوی حقیقی نہیں ہوتا بلکہ غیر کے قول کو نقل کرنا کہلاتا ہے، کیونکہ اختلاف تو مجتہد میں مسائل کی تخریج کا ہے کہ وہ دلیل جانے بغیر مسائل تخریج کر سکتا ہے یا نہیں نقلِ مذھب میں کوئی اختلاف نہیں۔

فائدہ:

(لایحل لاحد۔۔۔۔الخ) جس طرح امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے اسی طرح امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے بعض اصحاب امام ابویوسف وغیرہ کا بھی قول ہے۔

مجتہد فی المذہب

اس مقام پر مجتہد فی المذہب سے مراد فقہاء کے سات طبقات میں سے تیسرے طبقے کے فقہاء ہیں کیونکہ دوسرے طبقے کے فقہاء جیسے امام ابویوسف وامام محمد وغیرہ تو خود مجتہد مطلق ہیں لیکن انہوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی تقلید کی ہے۔

کیونکہ ایک مجتہد دوسرے مجتہد کی تقلید کرسکتا ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت جواز کی ہے۔

1) جیسے ایک دن امام ابویوسف نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے خبر دی کے حمام کے حوض سے چوہا نکلا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں ہم امام مالک کی تقلید کرتے ہیں۔

2) امام محمد سے منقول ہے کہ مجتہد اپنے سے بڑے عالم کی تقلید کرسکتا ہے۔

3) بعض شوافع فقہاء فرماتے ہیں کہ ہم امام شافعی کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہمارا اجتہاد ان کے موافق ہو گیا ہے۔

اسی طرح کی بات امام اعظم کے اصحاب سے بھی منقول ہے ان اقوال سے یہ بات منکشف ہوئی کہ ایک مجتہد مطلق دوسرے مجتہد کی تقلید کرسکتا ہے۔

علامہ شامی صاحب کا نتیجہ

امام اعظم کے قول کے معنی کے لیے دوسرے احتمال کو متعین کیا فرمایا کہ امام کا قول بطریق استخراج و استنبا مجتہد فی المذہب کہ فتوی پر محمول ہے۔

اسی طرح چوتھے پانچویں اور تیسرے طبقے کے فقہاء بھی شامل ہیں ان کے بعد والے تو محض ناقل ہیں ہم پر ان کے نقل کردہ کی پیروی لازم ہے اگرچہ وہ امام کے قول کے خلاف ہو کیونکہ وہ اٹکل سے مسائل بیان نہیں کرتے۔

علامہ محقق علی الاطلاق کا مقام ومرتبہ

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب بحر کے حوالے سے نقل کیا کہ علامہ محقق دلائل میں نظر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ہم پر لازم ہے کہ ان کی پیروی کریں اور ان کہ بیان کردہ مسائل پر عمل کریں لیکن یہ جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کریں جو مذھب سے خارج ہو تو ان کی پیروی نہیں کی جائے گی۔

ان کے بارے میں ان کی معاصر برھان ابناسی اقرار کرتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے بلاد میں مذھب کہ متعلق دلائل طلب کرے تو امام محقق کے علاوہ کوئی بھی دلائل بیان نہیں کر سکے گا۔

شیخ الاسلام علی المقدسی لکھتے ہیں کہ ابن ھمام رتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔

علامہ قاسم بن قطلوبغا

علامہ قاسم بھی اھل نظر اصحاب میں سے ہیں یہ خود اپنے رسالہ میں نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب علماء نے ہمیں امام یوسف کے اس قول کی وجہ سے جو انہوں نے امام اعظم سے روایت کیا کہ (لایحل لاحد۔۔۔الخ) محض تقلید سے منع فرمایا تو میں نے دلائل کو جمع کر کہ ان میں غور وفکر کرنا شروع کی تو میں نے بہت سے مسائل کی معرفت حاصل کر لی میں نے صرف مصنفین کے تحریر کردہ مسائل کی تقلید پر اکتفاء کیا۔

اپنے رسالہ میں ہی دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے احسان سے میں وہی کہتا ہوں جو امام طحاوی نے ابن حربویہ سے فرمایا کہ تقلید کرنا یا تو تعصب کی وجہ سے ہوتا ہے۔

علامہ بحر کا مقام ومرتبہ

جب صاحب بحر نے یہ کہا کہ مطلقا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتوی دینا واجب ولازم ہے، ان کی اس بات سے یہ معلوم ہوا کہ یہ خود اھل نظر نہیں لہذا جب یہ کسی مسئلے کی صحت کو بیان کریں اور ان کے خلاف بھی کوئی دوسرا کسی اور قول کی صحت کو بیان کر دے جو ان کے مخالف ہو

تو ان کی صحت کا اعتبار ہو گا۔

تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کے ان مسائل کا اعتبار کیا جائے جن کو یہ بطریق استخراج واستنباط بیان کریں۔

علامہ بیری نے جو اپنی شرح میں نوع اول میں بیان کیا ہے کہ جس کا عنوان ہی یہ ہے،

کہ ان قواعد کی معرفت کا بیان جنکی طرف فروعی احکام لوٹتے اور ان پر تفریعات کا بیان، حقیقت میں وہ احکام اصول فقہ ہیں جن کی وجہ سے فقیہ اجتہاد کے درجے تک پہنچتا ہے اگرچہ وہ ترقی فتوی میں ہی کیوں نہ ہو اور اکثر فروعات میں وہ کامیابی حاصل کر چکے۔

علامہ شامی نے علامہ بیری کی اس عبارت پر جو انہوں نے صاحب بحر کی مدح میں بیان کی ہے فرماتے ہیں کے اکثر میں کامیابی اس بات پر دال نہیں کہ وہ اھل نظر بھی ہیں۔

حکم الافتاء فیما اختلف فیہ المتاخرون ولم توجد الروایۃ عن المقدمین

حاوی قدسی اور خانیہ کے حوالے سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا جب امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کوئی روایت کسی مسئلے میں نہ ہو تو امام ابو یوسف کے قول کو لیا جائے گا پھر امام محمد کے الخ۔۔۔۔

اگر مقدمین سے کوئی بھی روایت موجود نہ ہو تو متاخرین اگر ایک قول پر متفق ہیں تو اسی کو اختیار کیا جائے گا، اگر ایک قول پر متفق نہ ہوں ان میں اختلاف ہو تو ان سے جس پر اکثر بڑے علماء ہوں اس پر فتوی دیا جائے گا جیسا کہ امام ابو حفص امام طحاوی امام ابولیث وغیرہم۔

اگر صورت حال ایسی ہو کہ متاخرین سے بھی کوئی قول منقول نہ ہو تو اگر وہ مفتی مجتہد ہے تو اپنے اجتہاد سے کام لے گا اور غور و فکر کرے گا تا کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے کسی ایسے نتیجے پر پہنچے جو درستی اور صواب کے قریب ہو۔

اپنی اٹکل سے مسئلہ بتانے کی مجتہد کو بھی اجازت نہیں اس کو چاہیے کہ اس عظیم معاملے میں اللہ ﷻ کا خوف کرے اور حتی المقدور صحیح مسئلہ بتانے کی کوشش کرے۔

فتاوی قاضی خان میں ایک بات کا اضافہ ہے کہ اگر وہ غیر مجتہد ہے اس پر لازم ہے کہ اپنے سے بڑے عالم کی طرف رجوع کرے، اگر بڑا عالم اس شہر میں نہیں ہے تو اسکے ساتھ خط و کتابت سے رابطہ کرے اپنی اٹکل سے مسئلہ بیان نہ کریں۔

علامہ صاحب خانیہ کی عبارت سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ غیر مجتہد مفتی مقلدِ محض کے لیے فتوی دینا جائز نہیں، اسکی تائید میں صاحب بحر کی عبارت ذکر کی جس میں مفتی کے لیے یہ شرط ذکر کی ہے کہ وہ

مفتی وجوہ فقہ کی معرفت رکھتا ہو اور اھل فقہ سے مشاورت بھی کرتا ہو تو اس کے لیے ایسے مسئلے میں فتوی دینا جائز ہے۔

صاحب بحر کی عبارت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ فقیہ جو بہت سی کتابوں کا مطالعہ کر لیتا ہے اور اس بات پر قادر ہوتا ہے کے کسی بھی مسئلے کا جزئیہ کتابوں سے نکال لے وہ مفتی نہیں، اس کے لیے جائز نہیں کہ جب کوئی مسئلہ کتابوں میں نہ ہو تو اپنی رائے سے یہ فتوی دے کیونکہ وہ اھل نہیں ہے۔

بلکہ وہ یہ کہے کے میں نہیں جانتا کیونکہ یہ جملہ تو سرکار ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے جن کی تائید وحی کے ساتھ ہوئی ہے۔

اکثر طور پر ہوتا یہ ہے کہ مسئلہ تو کتابوں میں موجود ہوتا ہے مگر قلتِ مطالعہ کی وجہ سے ملتا نہیں کیونکہ تقریبا پیش آمدہ مسئلہ فقہ کی کتابوں میں موجود ہوتے ہیں یا اس مثل کوئی مسئلہ یا ایسا قاعدہ موجود ہوتا ہے جس کے تحت وہ پیش آمدہ مسئلہ حل ہو سکتا۔

تنبیہ: جب کسی مسئلہ کا بعینہ جزئیہ نہ ملے تو اس کی نظیر بیان کرنے یا اس کو کسی قاعدہ کے تحت بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نظیر اور پیش آمدہ مسئلے میں ایک خفیف سا فرق ہوتا ہے جس پر ہر کوئی مطلع نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح قوائد فقیہ، کلیہ نہیں ہوتے بلکہ اکثر یہ ہوتے ہیں اسی وجہ سے علم فقہ میں کتاب المفروق کے نام سے کتابیں لکھی گئی ہیں،

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں: قوائد وضوابط سے فتوی دینا جائز نہیں بلکہ مفتی پر واجب ہے بعینہ مسئلے کو حکایت کر دے۔

حاصل: متقدمین سے اگر کسی میں مسئلہ منقول نہ ہو تو اس کی چار صورتیں ہیں۔

۱) متاخرین کسی قول پر متفق ہوں گے تو اسی کو اختیار کیا جائے گا۔

۲) متاخرین میں اختلاف ہو تو جس طرف بڑے بڑے فقہاء ہوں اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہو تو اسی قول کو لیا جائے۔

اگر متاخرین سے بھی وہ مسئلہ منقول نہ ہو یا ان میں برابری کا اختلاف ہو تو اب دو صورتیں ہیں۔

۱) اگر وہ مجتہد ہے تو غور و فکر اور اجتہاد کے ذریعے کسی قول پر فتوی دے گا۔

۲) اگر غیر مجتہد ہو تو اپنے سے بڑے عالم کی طرف رجوع کرے یا لاادری کہہ دے۔

القواعد فی معرفة القول الراجع

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ۹ قواعد ذکر کیے جن سے راجع قول کی معرفت ہو جاتی ہے یعنی اگر کسی مسئلے میں دو مختلف قول ہوں تو ان کے قواعد کے مطابق ان میں کسی ایک قول کو ترجیح دے سکتے ہیں۔

1) شرح منیہ میں ہے کے عبادات میں مطلقا امام اعظم کے قول پر فتوی دیا جائے گا کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی دقتِ نظری کی وجہ سے علماء نے عبادات میں مطلقا امام کے قول کو راجع قرار دیا ہے۔

2) صاحب بحر نے قنیہ کے حوالے سے ذکر کیا کہ قضاء کے معاملے میں امام ابو یوسف کے قول پر فتوی دیا جائے گا کیونکہ امام ابو یوسف کا تجربہ قضاء میں زیادہ ہے لہذا انہی کے قول کو ترجیح حاصل ہو گی علامہ شامی فرماتے ہیں کے اسی وجہ سے امام اعظم نے اپنے قول کہ ، صدقہ حج تطوع سے افضل ہے سے رجوع کر لیا۔

3) ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد کے قول پر فتوی دیا جائے گا ملتقیٰ میں ہے کہ ذوی الارحام میں مال کی تقسیم میں امام محمد کے قول پر فتوی دیا جائے گا امام کافی نے فرمایا کہ امام اعظم سے ذوی الارحام کی تقسیم کاری میں دو روایتیں ہیں امام محمد کی روایت مشہور ہے اور فتوی بھی اسی پر ہے۔

4) فقہ کی عام کتابوں میں ہے کہ جب قیاس اور استحسان میں تعارض ہو تو استحسان پر فتوی ہو گا، لیکن سترہ مسائل ایسے ہیں جن میں قیاس پر استحسان کو ترجیح نہیں دی جائے گی، صاحب بحر نے ان کی تعداد ۲۲ تک بیان کی ہے۔

5) جب ظاہر الروایہ اور غیر ظاہر الروایہ میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کے قول کو ترجیح ہو گی، ہاں جب فقہاء غیرِ ظاہر الروایہ پر مفتی بہ ہونے کی صراحت کر دیں تو پھر غیر ظاہر الروایہ کو ہی لیا جائے گا۔ انفع الوسائل میں ہے کے قاضی مقلد کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ روایت شاذہ پر فتوی دے مگر جب اس کے مفتی بہ ہونے کی صرحت ہو۔

6) جب درایت کسی مسئلے میں روایت کے موافق ہو تو اسی روایت کو ترجیح دی جائے گی اسکے مقابل روایت کو چھوڑ دیا جائے گا، حاوی القدسی کہ آخر میں ہے کہ جب امام اعظم سے کسی مسئلے میں اقوال مختلف ہو جائیں تو اس قول کو ترجیح دیں گے جس کی تقویت کسی حجت کے ساتھ ہو رہی ہو۔

7) کفر کے معاملے میں احتیاط کو اختیار کیا جائے گا کہ جب دو روایتں ہوں ایک سے کفر اور دوسری سے عدمِ کفر ثابت ہو رہا ہو تو عدم کفر والی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ بحر الرائق میں ہے کفر ایک اعظیم معاملہ ہے اس وقت تک کسی مؤمن کو کافر نہیں کہا جائے گا جب تک عدم کفر کی کوئی روایت موجود ہو، اس کے بعد فرمایا کہ اس کے قول کو اچھے محمل پر محمول کیا جائے گا اگرچہ روایت ضعیفہ ہی کیوں نہ ہو۔

8) مجتہد کے دو قولوں میں سے کسی ایک کا مؤخر ہونا معلوم ہو تو اسی کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ ناسخ ہے، اسی طرح امام کے اس قول کو لیا جائے گا جس کی طرف اس نے رجوع کیا ہے اس سے پہلے والا قول امام کا قول ہی نہیں کہلائے گا، بحر الرائق میں ہے جس قول سے مجتہد نے رجوع کر لیا اس کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

9) متون کو شروح پر ترجیح دی جائے گی اسی طرح فتاوی پر مگر جب شروح یا فتاوی میں متون کے خلاف کی صراحت کر دی گی ہو تو اسی کو اختیار کیا جائے گا کیونکہ متون میں تصحیح کا الزام کیا ہے اور جب الزام کے خلاف صراحۃً تصحیح آجائے تو اسی کو ترجیح ہو گی، اسی طرح شروحات کو فتاوی پر ترجیح دی جائے گی۔

متون معتبرہ وغیر معتبرہ

متون معتبرہ: ہدایہ، مختصر القدوری، مختار، نقایہ، وقایہ، کنز، ملتقیٰ، ان میں مذھب کے مسائل نقل کرنے کا الزام کیا ہے۔

متون غیر معتبرہ: غرر، تنویر، کیونکہ ان میں فتاوی کے مسائل کو بھی نقل کیا گیا ہے۔

فتاوی قاضی خان وملتقی

۱)فتاوی قاضی خان میں مفتیٰ بہ قول کو پہلے ذکر کیا جاتا ہے علامہ قاضی خان صاحب نے اپنی کتاب کے شروع میں فرمایا، جس مسئلے میں متاخرین سے بہت سے اقوال مروی ہوں ان میں سے فقط ایک یا دو کو اس کتاب میں ذکر کروں گا جب ایک سے زائد اقوال ذکر کروں تو مشہور اور اظہر کو سب پر مقدم کروں گا تا کہ رغبت رکھنے والوں کے لیے آسانی ہو۔

۲)**ملتقی**:اسی طرح ملتقی کا اسلوب بھی یہ ہی ہے کہ وہ مفتی بہ قول کو مقدم کرتے ہیں۔

ان دونوں کے علاوہ جن کتب میں اقوال کے ساتھ ادلہ کو بھی ذکر کیا جاتا ہے ان میں آخری قول کو عمومی طور پر مفتی بہ کہا جاتا ہے۔

۳)جیسا کہ ھدایہ، شروح کنز، کافی، بدائع وغیرہ، مذکورہ کتب کا اسلوب یہ ہے کہ وہ امام اعظم کے قول کو مؤخر کرتے ہیں پھر تمام کی ادلہ کو ذکر کرتے ہیں پھر اسی کے ضمن میں باقی اقوال کے دلائل کا جواب دیتے ہیں۔

۴)جب کوئی فقیہ کسی قول کی دلیل ذکر کرے اور دوسرے قول کا جواب دے تو یہ ان کے نزدیک ضمنا مفتی بہ ہی ہوتا ہے اگرچہ وہ صراحۃ اس کا مفتی بہ ہونا ذکر نہ بھی کریں۔

۵)اسی طرح فقہاء جب کسی قول کی تعلیل بیان کردیں تو وہ ان کے نزدیک معتبر و معتمد ہوتا ہے۔

علامات افتاء

(۱)علیہ الفتوی (۲)بہ یفتیٰ (۳)بہ ناخذ (۴)علیہ الاعتماد (۵)الاعتماد (۶)علیہ عمل الیوم (۷)وھو الصحیح (۸)وھو الاصح (۹)وھو الاظھر (۱۰)وھو المختار فی زماننا (۱۱)فتوی مشائخنا (۱۲)وھو الاشبہ (۱۳)وھو الاوجہ (۱۴)علیہ عمل الامہ

ان میں بعض کو بعض پر ترجیح دی جاتی ہے

1) جب دو متعارض روایتوں کی تصحیح ایک ہی لفظ سے واقع ہوتی ہو تو اس میں مفتی کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے غور و فکر کے بعد اختیار کرے۔

2) جب دونوں کی تصحیح میں الفاظ مختلف ہوں اور ایک کی تصحیح لفظ فتوی کے ساتھ ہو تو اس کو ترجیح ہو گی، کیونکہ لفظ فتوی اپنے ضمنا میں دو باتوں کو لیے ہوئے ہوتا ہے ایک یہ کے فتوی اس پر ہے دوسرا یہ کہ قول صحیح بھی ہے، اور جس قول کے بارے میں صرف صحیح کہ الفاظ ہوں فتوی کا ذکر نہ ہے اس میں یہ ہوتا ہے کہ صحیح تو ہے مگر اس پر کسی وجہ سے عمل نہیں ہے۔

3) اگر دونوں اقوال کی تصحیح لفظ فتوی کے ساتھ ہو مگر ایک کی تصحیح میں حصر ہے جسے (بہ یفتی علیہ الفتوی) وغیرہما تو حصر والی تصحیح کو ترجیح دیں گے۔

4) اگر دونون کی تصحیح حصر کہ ساتھ ہو مگر ایک میں (علیہ عمل الامہ) کے الفاظ ہوں تو یہ ہی اولیٰ ہو گی کہ اس پر اجماع ہے۔

5) اگر دونوں روایتوں کی تصحیح لفظ فتوی کے ساتھ نہ ہو بلکہ ایک کی تصحیح لفظِ صحیح کے ساتھ ہو دوسرے کی لفظِ اصح کہ ساتھ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

شرح منیہ

شرح میں ہے کہ لفظ صحیح کو لفظ اصح کے ساتھ تعارض کہ وقت ترجیح دیں گے کیونکہ صحیح کہ مقابل فاسد ہوتا ہے اور اصح کہ مقابلے صحیح ہوتا ہے بعض جنہوں نے صحیح کہا ہے ان کے نزدیک دوسری رویت درست نہیں اور جنہوں نے اصح کہا ہے ان کے نزدیک دوسری روایت بھی صحیح ہے لہذا جس کی تصحیح پر اتفاق ہو گا اسکو ترجیح دیں۔

جمہور: جمہور کہ نزدیک اصح کو صحیح پر ترجیح دی جائے گی، اصح کہ مقابل صحیح کا ہونا کلی طور پر نہیں بلکہ بعض اوقات اسکے مقابل روایت شاذہ بھی ہوتی ہو، اور یہ اختلاف اس وقت ہو گا جب تصحیح دو کتابوں میں واقع ہو رہی ہو۔

6) اگر کسی مسئلے میں مختلف اقوال منقول ہوں اور دونوں کی تصحیح دو اماموں سے ہو مگر دوسری تصحیح کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ یہ پہلی سے زیادہ صحیح ہے تو اس وقت بھی اصح والے قول کو ترجیح ہو گی۔

7) اگر دونوں اقوال لفظ صحیح یا لفظ اصح کہ ساتھ ہوں تو اس میں مفتی کو اختیار ہو گا۔

8)جن دواماموں سے دو مختلف قولوں کی تصحیح منقول ہوا گران میں سے ایک دوسرے سے مرتبہ میں اعلیٰ ہو تواس کی تصحیح کواختیار کیاجائے گاجو مرتبے میں اعلیٰ ہے۔

9)ایک قول کی صحت لفظ اصح،احوط،ارفق کے ساتھ بیان کی گی ہو دوسرے کی صحت پر خاموشی اختیار کی گئی ہو تواس میں دو قول ہیں۔

1: مفتی کواختیار ہو گا کیونکہ اصح،احوط،ارفق، جیسے الفاظ دوسرے قول کی صحت کوضمنابیان کررہے ہوتے ہیں۔

2:اس قول کی صحت کو ترجیح دیں گئے جس میں صراحہ ہو بمقابلہ اس قول کے جس کے بارے میں سکوت ہے۔

قواعدالترجیح عنه تعارض اتصحیح عشرة

اول: لفظ صحیح اور لفظ اصح میں تعارض ہو تو مشہور قول کے مطابق لفظ اصح کو ترجیح دیں گئے۔

ثانی: جس کے ساتھ لفظ فتوی ہو وہ راجع ہو گا۔

ثالث: ایک قول متون میں ہے ایک غیر متون میں تو متون والے قول کو ترجیح دیں گئے کیونکہ جب کسی قول کی تصحیح منقول نہ ہو تو تعارض کہ وقت متون کو فوقیت دی جاتی ہے کیونکہ متون نقل مذھب کہ لیے وضع کئے گئے ہیں۔

رابع: ایک امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا قول دوسراامام کے اصحاب کا توامام کے قول کو ترجیح دیں گئے، کیونکہ جب کسی قول کی ترجیح منقول نہ ہو فقط دونوں کی تصحیح منقول ہو توامام کا قول راجع ہوتا ہے۔

خامس: دو صحیح قولوں میں ایک ظاہر الروایہ میں ہو دوسرا غیرِ ظاہر الروایہ میں ہو تو ظاہر الروایہ کے قول کواختیار کیاجائے گا۔

سادس: اس قول کواختیار کیاجائے گا جسکی تصحیح کرنے والے بڑے بڑے فقہاء کرام ہوں یا جس جانب اکثر فقہاء کرام ہوں۔

سابع: استحسان کو قیاس پر ترجیح دیں گئے الا فی المسائل۔

ثامن: وقف کے مسائل میں سے کسی مسئلے میں دو مختلف اقوال ہوں تو اس قول کو اختیار کریں جو وقف کے زیادہ موافق ہو۔

تاسع: اس قول کو اختیار کریں جس میں زیادہ آسانی ہو، اھل زمانہ کہ لیے اس میں زیادہ مشقت نہ ہو عرف کی وجہ سے لقولہ علیہ السلام **یسروا ولا تنفروا** (اوکما قال)

۱) اسی وجہ سے تزکیہ شہود اور ظاہری عدالت کہ ساتھ فتوی اور فیصلہ نہ کرنے کا فتوی دیا جاتا ہے، کیونکہ زمانہ رسالت سے دوری کی وجہ سے فسق بہت زیادہ پھیل گیا ہے لوگ جھوٹ بولنے میں دیر نہیں لگاتے جھوٹی گواہی دینے سے گریز نہیں کرتے۔

۲) تعلم قرآن پر اجارے کے جواز کا فتوی۔

۳) حاوی ذھدی میں ہے کہ مفتی کو چاہئے اس قول پر فتوی دے جو آسان ہے۔

۴) جامع صغیر میں بھی اسی طرح کی روایت ہے۔

عاشر: جب مفتی کہ نزدیک کسی قول کی دلیل زیادہ واضح ہو تو اس کو اختیار کرے گا یہ مجتہد کہ ساتھ خاص ہے۔

نوٹ: یہ تمام قواعد اس وقت ہیں جب تصحیح میں مساوی ہوں کیونکہ جب دو قولوں میں تصحیح مساوی ہو اس وقت ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ جب کسی ایک قول کی دلیل زیادہ مضبوط ہو جہت بھی اس کی مضبوط ہو تو مفتی اس کو ترجیح دے گا۔

حکم المفھوم واقسامہ

مفہوم کی دو قسمیں ہیں۔(1) مفہوم موافق (2) مفہوم مخالف

مفہوم موافق: مسکوت کے لیے منطوق والا حکم ثابت ہونے پر فقط لفظ کی دلالت محض فہم لغت سے ہو، یعنی اس میں رائے اور اجتہاد کی ضرورت نہ ہو۔

جیسے: فلا تقل لھما اف ولا تنھر ھما، اف کہنے سے ممانت کی دلالت مارنے کی حرمت پر۔

مفہوم مخالف: مسکوت کے لیے لفظ کا منطوق حکم کی نقیض پر دلالت کرنا یعنی لفظ بولتے ہی اس کی نقیض کا حکم مسکوت کے لیے ثابت ہو جائے۔

مفہوم مخالف کی پانچ قسمیں ہیں۔

(1)مفہوم صفت(2)مفہوم شرط(3)مفہوم غایت(4)مفہوم عدد(5)مفہوم لقب

ا)مفہوم صفت: جیساکہ جانوروں کی زکوۃ کو جانوروں کے سائمہ ہونے کہ ساتھ موصوف کرنا اب اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ وہ جانور جن کی صف سائمہ نہیں ان میں زکوۃ نہیں۔

2)مفہوم شرط: حکم کو شرط کے پائے جانے پر موقوف کرنا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب یہ شرط نہ ہوگی تو غیر مذکور کے لیے وہ حکم ثابت نہیں ہوگا جیساکہ: **و ان کن اولات حمل فانفقوا علیھن**۔

3)**مفہوم غایت:** حکم کی انتہاء بیان کردینا تو جب اس حکم کی مدت ختم ہو جائے گی تو وہ حکم بھی اٹھ جائے گا۔

مثلا عورت کا حرام ہونا تین طلاقوں کہ بعد اس وقت تک جب تک وہ حلالہ نہ کروالے جب وہ حلالہ کروالے گی تو اب پہلے شوہر کے لیے وہ حرمت باقی نہ رہے گی جو تین طلاقیں دینے سے ثابت ہوئی تھی۔

4)مفہوم عدد: جیساکہ **ثمنیہ جلدہ**، حکم کو اس خاص عدد کہ ساتھ مقید کردینا اس خاص کے عدد کے علاوہ میں حکم کا ثابت نہ ہونا۔

5)مفہوم لقب: اس سے مراد حکم کو کسی اسم جامد کے ساتھ خاص معلق کردینا جیساکہ بکریوں کی زکوۃ جس طرح دی جاتی ہے وہ اس کہ ساتھ خاص ہے اس کہ علاوہ کی زکوۃ بکریوں کی طرح نہیں دی جائے گی۔

حکم: قسمِ اول کا اعتبار تمام آئمہ کہ نزدیک متفق علیہ ہے جبکہ قسم ثانی(مفہوم مخالف)کا اعتبار امام شافعی کے نزدیک اس کی آخری قسم یعنی مفہوم لقب کہ علاوہ ہے۔

جب کہ احناف کہ نزدیک دوسری قسم یعنی مفہوم مخالف کا اعتبار کلام شارع میں نہیں ہے اس کے علاوہ ہے۔

نوٹ: مفہوم مخلف کا اعتبار لوگوں کی عام بول چال میں ہوتا ہے اسی طرح عرف میں بھی اسکا اعتبار ہوگا۔

مثال: لوگوں کی بول چال میں مفہوم مخالف کا اعتبار ہوتا ہے اگر کسی نے یوں کہا کہ تیرے مجھ پر سو درھم سے زائد نہیں ہیں تو سو درھم کا اقرار کہلائے گا۔

اقوال صحابہ اور فقہاء کی روایات

وہ اقوالِ صحابہ جن کا تعلق رائے اور اجتہاد سے ہو ان میں بھی مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے، اور وہ اقوال صحابہ جن کا تعلق رائے اور اجتہاد سے نہ ہو ان میں مفہوم مخالف معتبر نہیں کیونکہ وہ کلام شارع کے حکم میں ہے۔

اسی طرح فقہاء کی روایات میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

دلائل: نہر الفائق میں ہے کہ کتابوں کے مفاہیم حجت ہوتے ہیں بخلاف نصوص کہ مفاہیم کہ، ان میں مفہوم مخالف اکثر طور پر حجت نہیں ہوتے۔

غایۃ البیان میں ایک مسئلہ ذکر کیا گیا کہ عورت پر غسل کرتے ہوئے بالوں کی چوٹی کھولنا ضروری نہیں اس مسئلہ میں عورت کی قید لگائی اس سے یہ معلوم ہوا کہ مرد پر کھولنا لازمی ہے۔

روایات میں کسی شی کی تحقیق اسکے ماعدا کی نفی پر دلالت کرتی ہے بخلاف نصوص کے ہمارے نزدیک نصوص میں شی کی تحقیق ماعدا پر دلالت نہیں کرتی۔

اشباہ میں مذکور حکم اور اس کا جواب

اشباہ میں ہے کہ لوگوں کہ کلام میں بھی مفہوم مخالف مراد لینا جائز نہیں جیسا کہ کلامِ شارع میں، مفہومِ مخالف فقط روایات میں جائز ہے۔

علامہ شامی نے اس کا جواب دیا کہ متاخرین کہ نزدیک مفہومِ مخالف **فقط** کلامِ شارع میں درست نہیں۔

امام محمد اور مفہوم مخالف

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کہ نزدیک مفہوم مخالف مطلقا حجت ہے جب کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ مطلقا حجت نہیں بلکہ کلام شارع کہ علاوہ میں حجت ہے، **امام محمد** کا یہ قول سیر کبیر میں علامہ سرخسی نے اور علامہ خصاف نے بھی اس کو بیان کیا اور اس پر بنیاد رکھتے ہوئے انہوں نے کتاب الحیل لکھی۔

مثال: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں شارع علیہ السلام کے کلام سے مفہوم مخالف سے کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز کو ذکر کیا۔

نبی پاک ﷺ نے مقام حجر میں مشرکوں کے نام ایک مکتوب لکھا اس میں انہیں اسلام کی دعوت دی گئی ان میں جو اسلام لے آئے اسکا اسلام مقبول ہو گا جو اسلام قبول نہیں کرے گا اس پر جزیہ مقرر کیا جائے گا اس میں ان کے ذبیحہ اور عورتوں کی حرمت تھی۔

دراصل یہ خط مجوسیوں کی طرف تھا حرمت کو مجوسیوں کہ ساتھ خاص کرتے ہوئے امام محمد نے کتابی عورت سے نکاح کہ جواز کو بیان کیا۔

اسی طرح امام محمد نے لوگوں کہ کلام میں بھی مفہوم مخالف حجت قرار دیا۔

ماحاصل: اصل مذہب یہ تھا کہ مفہوم مخالف جائز نہیں لیکن امام محمد علیہ رحمۃ نے اس معاملے میں اس کا اعتبار کیا ہے جس کو عام لوگ سمجھتے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے کلامِ شارع میں بھی مفہوم مخالف کو جائز قرار دیا ہے، جب کہ صحیح مذہب جو کہ متاخرین کا ہے کہ شارع کہ کلام میں مفہوم مخالف جائز نہیں کیونکہ شارع ﷺ کا کلام بلاغت کا سرچشمہ ہوتا اس سے مراد کبھی کچھ اور بھی ہوتا ہے

جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے،(وربائبکم الاتی فی حجورکم)میں حجورکم کی قید اتفاقی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہو گا کہ دوسرے شوہر کی پرورش میں بیوی کی جو لڑکیاں نہ ہوں وہ حلال ہیں۔

لیکن لوگوں کا کلام اس طرح کی بلاغت سے خالی ہوتا ہے وہ عموماً مفہوم مخالف طریق پر کلام کرتے ہیں، اسی طرح فقہاء کی کتابوں میں بھی کسی قید و شرط یا صفت کا اضافہ اس طور پر ہوتا ہے کہ وہ قید، شرط، صفت وغیرہ کہ ذریعے اس مسئلے کو اس خاص صورت کہ ساتھ خاص کر دیتے ہیں۔

لیکن فقہاء کرام کہ کلام میں یہ اغلب طور پر ہوتا ہے ہمیشہ ایسا ہونا ضروری نہیں۔

صاحب اشباہ نے جو کہا کہ مفہوم مخالف مراد نہیں ہوتا انہوں نے متقدمین کہ قول کی پیروی کی ہے۔

نوٹ: مفہوم مخالف اس وقت معتبر ہو گا جب اس کہ خلاف کی صراحت نہ ہو جب مفہوم مخالف کہ خلاف کی صراحت ہو جائے تو اس وقت صریح کو ہی ترجیح ہو گی جو فقہاء کلام شارع ﷺ میں مفہوم مخالف کو معتبر قرار دیتے ہیں وہ بھی اس کہ قائل ہیں۔

عرف

لغوی معنی: ہر وہ بھلائی جس کی معرفت دل کو حاصل ہو۔

اصلاحی معنی: عرف وعادت ہر وہ چیز جو عقل کی جحت سے دونوں میں معتبر ہو جائے طبعیت سلیمہ اس کو قبول بھی کرے،(ملتقی)

عادت: وہ امر ہے جو بغیر عقلی تعلق کہ بار بار کیا جائے۔

اشباہ میں چھٹے قاعدے(العادۃ محکمۃ) کہ تحت لکھا ہے کہ اس قاعدے کی اصل سرکار ﷺ کا فرمان جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کہ نزدک بھی اچھا ہے، قرار دیا۔

عرف،عادت،تعامل بہت سے مسائل کا منبع ہے حتی کہ فقہاء نے عرف کو ایک مستقل اصل قرار دیا ہے یہ بھی فرمایا کہ عرف وعادت کی وجہ سے حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا اور عرف وعادت کا اعتبار اسی وقت معتبر ہو گا جب وہ غالب و شائع ہو۔

مثال: ایسے شہر جس میں مختلف قسم کہ درھم ودینار کے سکے چلتے ہیں خرید ہ فروحت کی تو ثمن اس شہر کی غالب طور پر چلنے والی نقدی کہ ساتھ دیا جائے گا کیونکہ وہی متعارف ہے احکام اسی کی طرف لوٹیں گئے، کیونکہ جو چیز عرف سے ثابت ہوتی ہے گویا وہ نص سے ثابت ہوتی ہے۔

الاحکام اللتی تغیرت بتغیر العرف

بہت سے احکام ایسے ہوتے ہیں جن میں صاحب مذھب کی طرف سے نص ہوتی ہے کہ ان کا حکم یہ ہے مگر ان احکام کی بنیاد عرف وعادت پر ہوتی ہے

مثال(۱): امام اعظم کے نزدیک اکراہ غیر سلطان کی طرف سے متحقق نہیں ہو سکتا لیکن فساد زمانہ کی وجہ سے امام محمد نے اس بات کا فتوی دیا کہ اب اکراہ غیر سلطان کی طرف سے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔

مثال(۲): امام اعظم کا فتوی یہ ہے کہ قتل کی کوشش کرنے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ سزا تو قاتل کو ملے گی، فساد زمانہ کی وجہ سے فقہاء ساعی کو بھی سزا دیتے ہیں بلکہ اسکو زجراً قتل تک کر دینے کا فتوی دیا جب فتنے وغیرہ کا خوف ہو۔

مثال(۳): اجیر مشترک ضامن نہیں ہوتا مگر متاخرین علماء نے اس کے ضامن ہونے کا فتوی دیا ہے یہ صاحبین کا مذھب ہے۔

اجیر مشترق کے حوالے سے اعلی حضرت نے چھ اقوال ذکر کیئے ہیں۔

مثال(۴): ہمارے زمانے میں فتوی یہ ہے کہ وصی مال یتیم سے مضاربت نہیں کر سکتا جبکہ متقدمین علماء کے نزدیک اسکو مضاربت کرنے کا اختیار رہے۔

مثال(۵): متاخیرین علماء نے یتیم اور وقف کے منافع غضب کرنے والے پر تاوان کا فتوی دیا حالانکہ منافع کے غضب پر تاوان نہیں ہوتا۔

مثال(٦): موقوفہ زمین کو تین سال سے زائد کرائے پر دینا جائز نہیں موقوفہ گھر یا دکان کو ایک سال سے زائد کرائے پر دینا جائز نہیں۔ یہ متاخرین کا مذھب ہے جب کہ متقدمین نے موقوفہ جائداد کو کرائے پر دینے کے لیے کوئی مدت بیان نہ کی۔

مثال(۷): متاخرین نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر شوہر نے مہر معجل ادا نہیں کیا تو وہ اپنی بیوی کو سفر پر جانے سے نہیں روک سکتا، اب یہ فتوی دیا جاتا ہے کہ روک سکتا ہے کیونکہ زمانہ ویسا نہ رہا جیسا پہلے تھا۔

مثال(۸): اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق تو دی ہے مگر ساتھ میں استثناء بھی ذکر کر دیا تھا یعنی میں نے یوں طلاق دی ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دی ان شاءاللہ

تو اس کی بات نہ مانی جائے گی طلاق کا حکم دیا جائے گا جب تک گواہ نہ پیش کر دے جب کہ متقدمین بغیر گواہوں کے اس کی بات ماننے کا مسئلہ بتاتے تھے اس کی علت بھی فساد زمانہ بیان کی جاتی ہے۔

مثال(۹): قاضی اپنے علم کی وجہ سے کسی کے خلاف حکم نہیں دے سکتا جبکہ متقدمین نے قاضی کو اپنے علم کی وجہ سے فیصلہ سنانے کا اختیار دیا تھا۔

مثال(۱۰): اصل مذھب یہ ہے کہ منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو گا مگر متاخرین فقہاء نے فرمایا کہ جب عورت صحبت ہونے کے بعد اس چیز کا دعوی کرے کے میں نے مہر معجل پر قبضہ نہیں کیا تو اس کی بات قبول نہ کی جائے گی، اس بات کہ باجود کے عوت یہاں قبضہ کرنے کی منکر ہے اور ہمارے مذھب کا قائدہ یہ ہے کہ قول منکر کا ہوتا ہے۔

مثال(۱۱): جب مرد یہ کہے کہ ہر حلال مجھ پر حرام ہے تو اس سے عرف کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یہ **مشائخ بلخ** کا مذھب ہے ہمارے زمانے میں بھی یہ جملہ طلاق کے لیے معروف ہو چکا ہے لہذا بغیر نیت کہ طلاق واقع ہو جائے گی امام محمد نیت دریافت کرنے کا فتوی دیتے ہیں۔

بغیر نیت کے طلاق والے حکم کو علامہ قاسم نے مختارات النوازل کے حوالے سے ذکر کیا کہ اسی پر فتوی ہے

مثال(۱۲): اسی طرح علامہ قاسم نے فرمایا کہ الطلاق یلزمنی و علیّ الحرام و علی الطلاق، الحرام یلزمنی سے بھی عرف کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی۔

مثال(۱۳): باپ نے بیٹی پر دعوی کیا کہ میں نے اس کو جہیز کا مالک نہیں بنایا تو اس کی بنیاد عرف پر ہے عرف میں اگر مالک بنایا جاتا ہے تو اس کا قول معتبر نہیں اگر مالک نہیں بنایا جاتا تو اس کا قول معتبر ہے۔

جب کہ اصل قائدہ کے مطابق اس کی بات تسلیم کرنی چاہیے کہ مالک بنانے والے کا قول معتبر ہوتا ہے اس میں عرف کو کوئی دخل نہیں۔

مثال(۱۴): ہمارے زمانے میں عرف کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوی ہے مزارعت کے معاملے میں اور وقف کے مسائل میں۔

مثال(۱۵): امام محمد کا قول مفتی بہ ہے کہ جب شفیع ایک ماہ تک طلب تملک کو مؤخر کر دے تو اسکا حق ساقط ہو جائے گا حالانکہ حق شفعہ طلب کرنے کے بعد طلب تملک کی کوئی میعاد مقرر نہیں۔

یہ مسئلہ مشتری سے ضرر دور کرنے کے لیے ہے۔

مثال(۱۶): امام حسن کی روایت کہ اگر عاقلہ بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو درست نہیں حالانکہ کہ عاقلہ بالغہ کو مطلقا اپنا نکاح کرنے کا حق ہے۔

مثال(۱۷): راستے کی کیچڑ سے کپڑے اور بدن ناپاک نہیں ہوتے متاخرین کا قول ہے ضرورت کے پیش نظر۔

مثال(۱۸): بیع الوفا کے جواز کا فتوی۔

مثال(۱۹): بیع استعناع کے جواز کا فتوی۔

مثال(۲۰): سقاء سے پانی کی مقدار بیان کیئے بغیر پانی پینے پر اسکا ثمن ادا کرنا حالانکہ مبیع مجہول ہے۔

مثال(۲۱): حمام میں ٹھرنے کی مدت اور استعمال کئے جانے والے پانی کی مقدار بیان کئے بغیر حمام میں جانا آنا۔

مثال(۲۲) روئی بغیر وزن کیئے ادھار لینا جائز ہے حالانکہ روئی موزونی ہے اس میں کمی بیشی اور اودھار حرام ہے۔

یہ تمام کہ تمام مسائل عرف وعادت، تغیر زمان، فساد زمان، قرائن احوال سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

یہ سب مذھب سے خارج اقوال بھی نہیں کہلاتے کیونکہ اگر صاحب مذھب ہمارے زمانے میں ہوتے تو وہ بھی اسی طرح فتوی دیتے یا اگر یہ تبدیلی ان کے زمانے میں واقع ہوتی تو وہ بھی اس کے خلاف نص نہ کرتے۔

یہی وہ معاملہ ہے جس نے فقہاء کو صاحب مذھب کے منصوص مسائل کے خلاف فتوی دینے کی جرأت دی کہ صاحب مذھب نے ان کی مسائل کی بنیاد اپنے زمانے کے عرف پر رکھی تھی۔

عرف بار بار بدلتا ہے تو مفتی مجتہد کے لیے ہر بار عرف کی تبدیلی کی وجہ سے مسئلے کا حکم بدلنے کی اجازت ہوتی ہے۔

کیونکہ متأخرین نے جس عرف کی وجہ سے مذھب کی منصوص کی مخالف کی وہ امام اعظم کے زمانے کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح ہر اس عرف کی پیروی کی جائے گی جس کی بنیاد عرف تعامل پر ہو۔

متقدمین نے عرف کی وجہ سے مسئلہ تبدیل کرنے کے لیے مفتی کے مجتہد ہونے کی شرط لگائی ہے، مگر ہمارے زمانے میں مفتی مجتہد مفقود ہے تو کم از کم ایسا تو ہو جو قواعد فقیہ کو جاننے والا ہو نظر صحیح کا مالک ہو عرف صحیح اور غیر صحیح میں فرق کرنے کا اھل ہو، اپنے زمانے کہ لوگوں کی حالت سے اچھی طرح واقف ہو، کسی مفتی کی صحبت میں رہ کر فتوی دینے کا طریقہ سکھا ہو، مسائل کی شرائط و قیودات کو جانتا ہو جن کو فقہاء فقہ حاصل کرنے والے کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں۔

ان تمام صلاحیتوں کا حامل ہو تو اس کے لیے عرف کی وجہ سے مسئلہ تبدیل کرنے کی اجازت ہے۔

عرف وہی معتبر ہوگا جو شریعت کے خلاف نہ ہو

عرف وہی معتبر ہو گا جو شریعت کے خلاف نہ ہوا گر وہ شریعت کے خلاف ہے تو وہ جتنا بھی عام ہو اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا مفتی مجتہد، قاضی، تمام کے لیے لوگوں کی حالت سے واقف ہو نا ضروری ہے کہا گیا ہے جو عرف کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے، اسی وجہ سے امام ابو یوسف کا قول قضاء کے معاملے میں باقی فقہاء سے زیادہ معتبر ہے کیونکہ وہ قضاء کے حوالے سے لوگوں کے حالات کو زیادہ جانتے ہیں۔

امام محمد کا طریقہ کار

امام محمد رنگریزوں کے پاس جا کر ان کی حالت دریافت کرتے اور ان کا اجارے کا طریقہ معلوم کرتے تھے مثال: زمین اعلی چیز کی کاشت کاری کی صلاحت رکھتی ہے کسی نے ادنی چیز بو دی تو خراج یا عشر اعلی چیز کے حساب سے ہی دے گا۔

مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ معلوم ہونے کے باجود اس پر فتوی نہیں دیا جائے گا کہ ظالم لوگ اس کا ناجائز فائدہ اٹھائیں گئے اور لوگوں سے ظلما زیادہ عشر لیں گئیں۔

ظالم زکوۃ و عشر وصول کرنے والا کہے گا کہ یہ زمین زعفران کی صلاحیت رکھتی ہے اس میں زعفران کی کاشت کاری ہو سکتی ہے تم اسی حساب سے عشر ادا کرو وغیرہ۔

اس میں کتمان علم کا حکم بھی نہیں لگے گا کہ اس کے ظاہر کرنے میں حرج عظیم ہے۔

اقسام العرف

عرف کی دو قسام ہیں۔

۱) عرف خاص (۲) عرف عام

عرف عام: اس سے عام حکم ثابت ہے یہ قیاس اور حدیث پاک کے لیے مخصص بن سکتا ہے۔

عرف خاص: عرف خاص مخصص نہیں بن سکتا۔

عرف خاص سے حکم اس وقت ثابت ہو گا جب وہ قیاس یا کسی حدیث کے مخالف نہ ہو کیونکہ یہ مخصص بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

خلاصہ: اگر عرف عام کی وجہ سے نص کا ترک لازم آئے تو وہ غیر معتبر ہے اور اگر فقط نص کی تخصیص لازم آئے تو معتبر ہے کیونکہ اس وقت کلی طور پر نص کو ترک نہیں کیا جاتا۔

جبکہ عرف خاص ان دونوں مقامات پر معتبر نہیں۔

بلکہ عرف خاص صرف عرف خاص والے حضرات کے حق میں معتبر ہو گا وہ بھی جب نص کا ترک یا تخصیص لازم نہ آئے، عرف خاص ظاہر الروایہ کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا جیسا کہ قسم کے متعارف الفاظ اور عقود مثلا بیع اور اجارہ وغیرہ میں عرف کا معاملہ ہے،

کیونکہ اس وقت متکلم وہی الفاظ بولتا ہے جو اس کے علاقے میں رائج ہوں وہ شریعت کے مقرر کردہ الفاظ کا لحاظ نہیں رکھتا لہذا اس کے معاملات کے وقت انہی الفاظ کا اعتبار ہو گا۔

ضرورت کے وقت ضعیف قول پر فتوی دینا جائز ہے

ہم اپنی شرح کے ابتدا میں علامہ قاسم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

۱) مرجوع قول کہ مطابق حکم کرنا اور فتوی دینا اجماع کے خلاف ہے۔

۲) راجح قول کے مقابلے میں مرجوع قول کالعدم ہے۔

۳) متقابلات میں بغیر کسی مرجح کے ترجیح دینا ممنوع ہے۔

۴) جو حضرات اسی پر فتوی کرتے ہیں کہ ان کا فتوی یا ان کا عمل مسئلہ کے بارے میں کسی بھی قول یا وجہ کے موافق ہو جائے اور ترجیح میں نظر کئے بغیر جس قول یا وجہ پر چاہتے ہیں عمل کر لیتے ہیں وہ جاہل ہیں اور اجماع کو توڑنے والے ہیں۔

ضعیف قول اور مذہب غیر پر فتوی دینا جائز نہین

قاضی نہ تو اپنے مذہب کے ضعیف قول کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی اور امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

اور اگر ایسا کرے گا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہو گا۔